بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کا دینی، اصلاحی، ادبی ترجمان

ماہنامہ ندائے قاسم

بیادگار: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، بانی دارالعلوم دیوبند

بانی: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ وبانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

مجلس مشاورت

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب ۞ مولانا محمد مرغوب الرحمٰن صاحب

۞ جناب سمیع احمد صاحب ۞ جناب حاجی بلال الدین صاحب

نگراں: حضرت مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

مدیر مسئول: مولانا محمد سالم | مدیر تحریر: خالد انور پورنوی، المظاہری

جلد: 4	اکتوبر 2017ء	محرم الحرام ۱۴۳۹ھ	شمارہ: 36

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب: 09431011919

مولانا محمد ناظم صاحب: 09431015726

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب: 09470083120

مولانا محمد سالم صاحب: 09934291786

ماہنامہ ندائے قاسم

Monthly **NIDA-E-QASIM**

Nafees colony, Baripath,

Mahendru, Patna-6

فی شمارہ: 20/روپیہ - سالانہ زرتعاون: 200/روپیہ

OWNER, EDITOR, PRINTER & PUBLISHER : MOHAMMAD QUASIM,

PRINTED AT INDIAN ARTS OFFSET, BASEMENT OF SBI, MAHENDRU, ASHOK RAJPATH, PATNA:-6, & PUBLISHED FROM OFFICE OF THE "NIDA-E-QASIM", NAFEES COLONY, BARIPATH, MAHENDRU, DIST- PATNA-6,

RNI No BIHURD/2014/59332, MOB.: 9431011919

فہرست مضامین

اداریہ	کیا صرف اعتماد کافی ہے یا حفاظت بھی ضروری ہے؟	خالد انور پورنوی المظاہری	03
درس قرآن	آزمائشیں ایمان کی نشانی! تیرھویں قسط	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب	08
درسِ حدیث	لاالٰہ الا اللّٰہ کی خاص فضیلت	جناب مولانا محمد ناظم صاحب	11
مقالات ومضامین	دنیا میں بڑھتی افراتفری اور امت مسلمہ کی ذمہ داریاں	حضرت مولانا محمد اسرار الحق قاسمی	14
	علماء اور دینی خدمت گذاروں کے لئے لمحہ فکریہ!	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	19
	اسبالِ ازار اور ہمارا معاشرہ	از: میرزاہد مکھیالوی	26
	داڑھی کا وجوب	حضرت شیخ الحدیث مولانا ذکریاؒ	30
	اسلام میں گود لینے کا مسئلہ	از: مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی	35
	اب نسل کشی ختم کریں: روہنگیا بحران کے....	رَمزی بارود	41
	حرمت شراب قرآن کی روشنی میں	سیف الرحمٰن ندوی لکھنوٴ	46
مقالہ	سیمانچل گاندھی کی شخصیت سماجی اعتبار سے!	خالد انور پورنوی المظاہری	50
گوشۂ خواتین	خواتین پر نئے دور کی ذمہ داریاں!	صبیحہ جمال	55
تعلیم وتربیت	جدید تعلیم کے ساتھ اخلاقی تعلیم کی اہمیت	علی حیدر	57
جمعیۃ	جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم کا سیمانچل کا دورہ	ادارہ	60
شب وروز	جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے اساتذہ کی مشاورتی نشست	ادارہ	63

e-mail:-.nedaequasim@gmail.com
مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں!
کمپیوٹر کتابت: مہجود عالم، بھاگلپوری: 09934837448
e-mail:-mahjoodom@gmail.com

اداریہ

کیا صرف اعتماد کافی ہے یا حفاظت بھی ضروری ہے؟

خالد انور پورنوی، المظاهری

بابا رام ، رہیم اِن دونوں جیل کی سلاخوں میں ہے، اور وہ اپنی کیئے کی سزا کاٹ رہا ہے، نہایت ہی رازداں اور اس کی منہ بولی بیٹی ہنی پریت بھی جیل جا چکی ہے، امید ہے کہ نئے نئے انکشافات سامنے آئیں گے، اور بابا کی زندگی کے سیاہ کارنامے بھی دیکھنے اور سننے کو ملیں گے، جو اب تک مٹی کے نیچے دفن تھے، ویسے اب تک جو کچھ بھی سامنے آچکا ہے وہ بھی کچھ کم نہیں ہے، اس موضوع پر نہ لکھنے کی ضرورت ہے، اور نہ ہی ہمارا قلم بابا رام رہیم کے گندے حرکات وسکنات کو تحریری شکل میں لانے کی اجازت دیتا ہے، مگر سوچنے کا مقام یہ ہے کہ کب تک عام لوگوں کا اس طرح کے ڈھونگی باباؤں سے رشتہ اعتماد بحال رہیگا؟ کب تک اپنے بیٹیوں اور معصوم بچیوں کی عزت وناموس کی قربانی پیش کرتے رہیں گے؟ اور کیوں؟ کیا دنیا کے کسی بھی مذہب میں اس طرح اندھی تقلید کی گنجائش موجود ہے، اگر نہیں؟ تو پھر کیا اس پر توجہ نہیں دی جانی چاہئے؟ یقیناً بابا رام، رہیم قصوروار ہے، لیکن وہ گارجین جنہوں نے اپنی بیٹیوں کو اس جہنم میں دھکیل دیا ہے کیا وہ قصوروار نہیں ہیں؟ اور کیا سرکاری کارندے جن کے رحم وکرم پر اس طرح کے ڈھونگی باباؤں کی چاندنی ہوتی ہے، جرم میں برابر کے شریک نہیں ہیں؟

وہ بہادر اور گمنام لڑکی مبارکباد کے قابل ضرور ہے، جس نے سال 2002 میں اٹل بہاری واجپئی کے نام خط لکھ کر بابا کے کالے کرتوتوں کو دنیا کے سامنے پیش کیا تھا، اور سرسا کے صحافی رام چندر چھتر پتی بھی مبارکباد کے قابل ہیں جنہوں نے اپنے اخبار''پورا سچ'' میں گمنام لڑکی کے خط کو تفصیلی انداز میں شائع کیا، اور سچائی دنیا کے سامنے لانے کیلئے کسی ڈر اور خوف کی پرواہ نہیں کی، حالانکہ اخبار میں شائع ہونے کے صرف 20/ دن بعد ہی رام ، رہیم کے غنڈوں نے بہادر صحافی کو جان سے مار دیا تھا، مگر سی بی آئی نے اپنا کام شروع کیا، اور بالآخر اپنے کو بھگوان بتانے والے بابا رام، رہیم آج اپنے بھکتوں کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں ہے۔

وہ گمنام لڑکی بابا کے مظالم اور کالے کرتوتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے خط میں جو لکھتی ہے، اس کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیں، وہ کہتی ہے: ''میں پنجاب کی رہنے والی ہوں اور اب پانچ سال سے ڈیرہ سچا سودا سرسا، ہریانہ، میں سادھو لڑکی کے طور پر خدمت کررہی ہوں، میرے ساتھ یہاں سینکڑوں لڑکیاں ڈیرے میں 18، 18 گھنٹے خدمت کرتی ہیں، ہمارا یہاں ڈیرے کے مہاراج گرمیت سنگھ کے ذریعے، جسمانی، اور جنسی استحصال

(عصمت دری) کیا جا رہا ہے۔ میں بی اے پاس لڑکی ہوں، میرے خاندان کے لوگ مہاراج کے اندھے عقیدت مند ہیں، جن کے ایماء پر میں ڈیرے میں سادھو بنی تھی۔ سادھو بننے کے دو سال بعد ایک دن بابا رام، رہیم گرمیت سنگھ کی طرف سے رات کے 10/بجے مجھے بلایا گیا۔ میں پہلی بار مہاراج سے ملنے جا رہی تھی، اس لئے میں بہت خوش تھی یہ سوچ کر کہ آج خدا نے مجھے بلایا ہے۔ جب میں غار میں پہنچی تو دیکھا کہ مہاراج بستر پر بیٹھے ہیں، ہاتھ میں ایک ریموٹ ہے، سامنے بلوفلم ٹی وی پر چل رہی ہے، بستر کے سرہانے ایک ریوالور رکھا ہوا ہے، میں یہ سب دیکھ کر حیران رہ گئی، مجھے چکر آنے لگے، میرے پیر کے نیچے کی زمین کھسک گئی۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ مہاراج ایسے ہوں گے میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا، مہاراج نے ٹی وی کو بند کیا اور مجھے ساتھ بٹھا کر پانی پلایا اور کہا کہ میں نے تمہیں اپنی خاص پیاری سمجھ کر بلایا ہے، یہ میرا پہلا دن تھا، مہاراج نے مجھے باہوں میں لیتے ہوئے کہا: ہم تجھے دل سے چاہتے ہیں، تمہارے ساتھ محبت کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ تم نے ہمارے ساتھ سادھو بنتے وقت تن من دھن سب ست گرو کیلئے قربان کرنے کو کہا تھا، تو اب یہ تن من ہمارا ہے، میرے مخالفت کرنے پر انہوں نے کہا: کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم ہی خدا ہیں، جب میں نے پوچھا کہ کیا یہ خدا کا کام ہے تو انہوں نے کہا: شری کرشن بھگوان تھے، ان کے یہاں 360/گوپیاں تھیں جن سے وہ ہر روز پیار محبت کرتے تھے، پھر بھی لوگ ان کو پرماتما مانتے ہیں، یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، اگر ہم چاہیں تو تمہاری زندگی اس ریوالور سے ختم کر سکتے ہیں۔ تمہارے خاندان والے ہم پر ایسا یقین رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے غلام ہیں، وہ ہمارے دائرے سے باہر نہیں جا سکتے، یہ تم اچھی طرح جانتی ہو، حکومت میں ہماری بہت چلتی ہے، ہریانہ اور پنجاب کے وزیر اعلی، پنجاب کے مرکزی وزیر ہمارے پیر چھوتے ہیں، سیاستداں ہم سے اپنی تائید کرواتے ہیں، پیسہ کماتے ہیں اور ہمارے خلاف کبھی نہیں جائیں گے، ہم تمہارے خاندان کے نوکری یافتہ تمام افراد کو برخاست کروا دیں گے، سبھی افراد کو اپنے خدمت گاروں (غنڈوں) سے مروا دیں گے، ثبوت بھی نہیں چھوڑیں گے۔ یہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم نے غنڈوں سے پہلے بھی ڈیرے کے انتظام کار فقیر چند کو ختم کروا دیا تھا جن کا اَتہ پتہ تک نہیں ہے، اور کوئی ثبوت نہیں ہے، پیسے کی بدولت ہم سیاست دانوں، پولیس اور قانون کو خرید لیں گے۔ اِس طرح میرا منہ کالا کیا اور گزشتہ تین ماہ میں 20-30/دن کے وقفے سے مسلسل کیا جا رہا ہے۔''

اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ وہ لڑکی جب اپنے گھر والوں کے سامنے بابا کے ذریعہ لڑکیوں کی عصمت دری کے واقعات سناتی ہے، تو گھر والے ناراض ہو جاتے ہیں، ان کے گارجین بابا کے اتنے بڑے بھکت

ہیں کہ بابا کے خلاف کچھ سننا نہیں چاہتے، جب بتایا جاتا ہے کہ بابا کس طرح بھگوان اور بھکتی کا پاٹھ پڑھا کر ڈیرہ میں موجود لڑکیوں کے جسموں سے کھیلتا ہے، تو ماں باپ کہتے ہیں: تمہارے دماغ میں غلط خیالات آنے لگے ہیں۔ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ بابا سے کس حد تک لوگوں کا اعتماد بحال ہو گیا تھا۔ ایسے میں اگر بابا رام، رحیم مجرم ہے تو کیا گارجین مجرم نہیں ہیں؟

گرمیت سنگھ اور آسارام، یہ تو وہ نام ہیں، جن کی حقیقت دنیا کے سامنے ظاہر ہو گئی، ورنہ اس طرح ہزاروں کی تعداد میں بابائیں، اور شرافت کے بھیس میں مذہبی لوگ ہیں جن کی پاکیزگی کی قسمیں کھائی جاتی ہیں، مگر اندر سے وہ اتنے ہی زیادہ خطرناک ہیں، جو معصوم بچیوں کے جسموں کو نوچ نوچ کر کھاتے ہیں، ہاں مگر اس گمنام لڑکی کے گارجین کی طرح دنیا میں کچھ اور بھی گارجین ہیں جو اپنی معصوم بچیوں سے زیادہ ان بھیڑیوں پر اعتماد کرتے ہیں، بیٹی کہتی ہے تو انہیں کہہ دیا جاتا ہے تم جھوٹ بولتی ہو، ایسے میں لڑکیاں خاموش رہنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتی ہے۔

بے جا عقیدت اور حد درجہ اعتماد نے یقیناً اس قوم کو بہت زیادہ نقصان پہونچایا ہے، بھلے ہی دنیا نے اسے عورتوں کی آزادی اور روشن ضمیری کا نام دیا ہو؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی آڑ میں عورتوں کا بہت زیادہ استحصال ہوا ہے، سو میں سے ایک دو واقعات ہی دنیا کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں، ورنہ ہزاروں واقعات ایسے ہیں، نہ کورٹ، نہ کچہری، اور نہ عدالت، کہیں بات نہیں پہونچتی ہے، اور بچیاں سماج میں بدنامی اور شرم وحیا کے خوف سے اپنے ہی سینے میں محفوظ کر لیتی ہیں۔ گارجین، والدین، اور سرپرستوں کا دماغ مذہبی شخصیات کے تئیں اتنا زیاد پر اعتماد اور عقیدت مندانہ ہے اگر لڑکیاں اپنے گھر والوں سے اپنی پریشانی کا اظہار بھی کریں تو لا حاصل ہے۔

پتہ نہیں کیسے لوگ ہیں؟ جو پھول اور کانٹے کے فرق کو نہیں سمجھتے، وہ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر پھینکتے ہیں، اور حد رجہ اعتماد بھی ہے کہ گھر میں شکن تک نہیں آئیگی، عورتوں اور مردوں کے اختلاط کے قائل بھی ہیں اور ایک دوسرے کی طرف میلان نہ ہو اس کا یقین بھی ہے، باباؤں اور آقاؤں کی خدمت اور سیوا کیلئے اپنی معصوم کلیوں کو پیش بھی کرتے ہیں اور حد درجہ اعتماد بھی ہے کہ وہ محفوظ بھی رہیں گی۔ اسی سوچ کو بدلنے، اور صحیح بات سوچنے کی ضرورت ہے، ورنہ آج جو کچھ حالات پیش آرہے ہیں، اس سے بھی زیادہ بھیانک دن آئیں گے۔

ایسا نہیں ہے کہ بابا رام، رحیم کے ڈیرہ میں موجود سادھو لڑکیاں سب کی سب جاہل تھیں، بلکہ ان میں زیادہ تر لڑکیاں بی اے، ایم اے، بی ایڈ، ایم فل پاس تھیں، مگر گھر والوں کی اندھی عقیدت کی وجہ سے وہ جہنم کی زندگی گذارنے پر مجبور تھیں، یا تو انہوں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا، یا پھر بابا کے ڈر اور خوف نے ان کی زبان پر

تالے لگادیئے تھے، سماج میں وہ کس طرح منہ دکھائے گی اس کا احساس بھی تھا، اسی لئے عافیت اسی میں سمجھی کہ زبان خاموش ہی رکھی جائے، مگران لڑکیوں کے گارجین کوتو ضرور سوچنا چاہئے کہ انسانوں کو انہوں نے خدا کیسے سمجھ لیا؟ ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے وہ تو انسان ہی لگتا ہے، ہاتھ ہے، پیر ہے اور دنیاوی ضروریات اور تقاضے بھی ہیں، مگر پتہ نہیں کیسے لوگوں نے اسے فرشتہ تصور کرلیا؟

خواتین کی عزت اوراس کی حفاظت کے سلسلے میں مذہب اسلام اوراس کی تعلیمات سب سے زیادہ جامع، اورعمدہ ہے، جس سماج نے بھی اس پرعمل کیا اوراپنے گھر اورسماج کی بچیوں اور بیٹیوں کواس پرعمل کرنے کا پابند بنایا، تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں اس سماج اور معاشرہ کی بیٹیاں سب سے زیادہ محفوظ رہی ہیں، گرمیت سنگھ، آسارام جیسے انسان نما درندوں کے شکار ہونے سے نہ صرف بچی رہیں؛ بلکہ اس کے ناپاک سایہ سے بھی کوسوں دور رہی ہیں، وہ لوگ جھوٹے ہیں اوراس جھوٹ کو باربار دہرا کراپنی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں کہ اسلام نے عورتو ں کو چہار دیواری کے اندرقید کردیا، بالکل نہیں، سب سے زیادہ خودمختاری اورآزادی تو اسلام نے عورتوں کودی ہے، ہاں مگر آزادی کا معیار کیا ہے؟ اسی کو سمجھنے کی ضرورت ہے، کسی بھی انسان کو بھگوان یا فرشتہ سمجھ اپنی مقدس بیٹیاں ان کے حوالہ کردیا جائے اور بیٹی والے ہرطرح کے فکر سے آزاد ہوجائیں، اگر یہی آزادی ہے تو یقیناً اسلام نے ایسی آزادی نہیں دی ہے، جس سے درندوں کو ہمارے پاکباز بیٹیوں کے تقدس کو پامال کرنے کا موقع میسر آجائے، ایسا کرنا اپنی معصوم سی بچیوں کے ساتھ ہمدردی نہیں؛ بلکہ سراسر ظلم وناانصافی ہے کہ انہیں ایم اے، بی اے، ایم فل کی ڈگریاں دلاکر اور ہرطرح کی دنیوی تعلیم سے آراستہ کرکے کسی آشرم کے حوالہ کردیا جائے۔

مذہب اسلام عورتوں کی سب سے زیادہ خیرخواہ ہے، اوراس کی تقدس اورعزت وناموس کا سب سے بڑا محافظ ہے، اسی لئے خواہ مذہبی اعتبار سے کوئی شخص کتنی بڑی شخصیت کا مالک ہو، دنیا اس کیلئے پلکیں بچھاتی ہوں، یا دنیوی اعتبار سے اہم عہدوں پر فائز ہو، دیکھنے میں وہ فرشتہ صفت انسان ہو یا پھر انتہائی قریبی رشتہ دار؛ لیکن اگر غیرمحرم ہے، اس کے ساتھ رہنے، سفر کرنے، اورخلوت نشینی اختیار کرنے کی اجازت اسلام نہیں دے سکتا ہے؛ چونکہ دیکھنے میں انسان بظاہر جس شکل وصورت میں بھی ہو، بہر حال وہ انسان ہے، بھلے ہی وہ نیکی اور شرافت کا مجسمہ ہے؛ لیکن انسان ہونے کی حیثیت سے بہکنے کا خطرہ بھی ہے، اسی لئے تو حج جیسی مقدس عبادت میں بھی ایک عورت کیلئے ضروری ہے کہ اپنے محرم کے ساتھ ہی سفر کرے، یعنی اپنے شوہر، باپ، بھائی، یاان رشتہ داروں کے ساتھ، جن سے نکاح کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہے، ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ واضح ارشاد موجود

ہے: کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ ملے، مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا محرم ہو، اور کوئی عورت سفر نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا محرم ہو، ایک صحابی رسول نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! میری بیوی حج کیلئے روانہ ہوگئی ہے، اور میرا نام فلاں غزوہ میں جانے کیلئے درج ہوگیا ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

عورت اور مرد دونوں دوالگ الگ صنفیں ہیں، دونوں کی حقیقت بالکل جداگانہ ہے، ایک کی خلقت میں نرم و نازک رکھی ہے، تو دوسرے کے ذمہ کمانے، اور اہل وعیال کیلئے اپنی توانائی صرف کرنے کا بوجھ قدرت نے رکھا ہے اسی لئے خلقت کے اعتبار سے ہی مرد توانا اور طاقت ور ہوتا ہے، تعلیمی اعتبار سے اور دوسری قابلیت وصلاحیت کے اعتبار سے بھلے ہی دونوں میں برابری ہوجائے، مگر جنسیت کے اعتبار سے ظاہر ہے، دونوں میں برابری کیونکر ممکن ہوسکتی ہے، ایک مرد ہے، تو دوسری عورت، ایک کا میلان دوسرے کی طرف ہوتا ہے، یہ فطری صلاحیت ہے، اور قدرت نے انسانوں کے اندر یہ صلاحیت رکھی ہے، مرد کو عورت سے اور عورت کو مرد سے سکون ملتا ہے، اسی لئے ہم سب کے خالق نے ہر شخص کیلئے نکاح کو لازم اور ضروری قرار دیا ہے، عام طور پر وہ لوگ جو نکاح اور شادی سے دور رہتے ہیں اور دنیا کو دکھانے کیلئے تجرد کی زندگی گذارتے ہیں، ان کا باطن ظاہر کے مقابلے میں بہت ہی پراگندہ ہوتا ہے، ابھی چند سالوں سے بلاتکاری باباؤں کی جو فہرست تیار ہورہی ہے وہ اس حقیقت کو بتلانے کے لئے کافی ہے، اسی طرح وہ لوگ جن پر بہت زیادہ اعتقاد ہو، اور اسی اعتقاد میں بیٹیاں ان کے حوالہ کردی جائے، اس کا بھی ایسے لوگ ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی لئے مذہب اسلام؛ جس کی تعلیمات دنیا کے تمام انسانوں اور تمام قوموں کیلئے ہے، اس نے بلاکسی نکاح اور حرمت والے رشتہ کے مرد و زن میں اختلاط کو ناقابل برداشت قرار دیا، محض اعتماد اور اعتقاد کسی رشتہ کا نام نہیں ہے، اور نہ اعتماد کی بنیاد پر اپنی بچیوں اور معصوم سی کلیوں کی نگرانی سے انسان آزاد ہوجائے، اس کی اجازت اسلام دیتا ہے۔

آیئے! ہندو مسلم، سکھ، عیسائی، خواہ مسلمان ہوں یا نہ ہوں، اسلام کی تعلیمات سے فائدہ اٹھائیں، اور کسی انسان کو بھولا، بھالا، یا شرافت کا پیکر سمجھ کر خواتین کے بارے میں اعتماد نہ کریں، بلکہ خود سے بھی اپنی اور اپنی بچیوں کی حفاظت کریں!!!

الٰہی دے مجھے طرز تکلم، میری آواز کو تو زندگی دے
مجھے افکار صالح بھی عطا کر، مرے افکار کو تابندگی دے

khalidanwarpurnawi@gmail.com-9934556027

درس قرآن العنکبوت - تیرھویں قسط

آزمائشیں ایمان کی نشانی!

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ وبانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا لا فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ فَکَذَّبُوْہُ فَاَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَۃُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِھِمْ جٰثِمِیْنَ۝(۳۶-۳۷)

اور مدین والوں کے پاس ہم نے ان کے بھائی شعیب کو پیغمبر بنا کر بھیجا سوانہوں نے فرمایا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اور روز قیامت سے ڈرو، اور سرزمین میں فساد مت پھیلاؤ، سوان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا، پس زلزلہ نے ان کو آ پکڑا، پھر وہ اپنے گھروں میں گھر کر رہ گئے۔

تشریح: یہاں سے حضرت شعیب علیہ السلام اوران کی قوم کا قصہ بیان کیا جارہا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام محمد بن اسحاقؒ کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادہ مدین کی اولاد میں سے ہیں، اور حضرت لوط علیہ السلام سے بھی رشتہ قرابت رکھتے ہیں۔ مدین کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مدیان حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ایک صاحبزادہ کا نام تھا، جو بیوی قتورا کے شکم سے پیدا ہوئے، آپ دریائے قلزم کے ایک کنارہ پر بستے تھے، آپ ہی کے نام سے اس بستی کو مدین کہنے لگے۔ حضرت شعیب علیہ السلام انہی کی اولاد میں سے ہیں، اس بستی میں نبی بنا کر بھیجے گئے، حضرت شعیب علیہ السلام جس بستی میں نبی بنا کر بھیجے گئے قرآن کریم نے کہیں ان کا ''اہل مدین'' اور ''اصحاب مدین'' کے نام سے ذکر کیا ہے اور کہیں ''اصحاب اَیکہ'' کے نام سے، ایکہ کے معنی جنگل اور بن کے ہیں۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا: کہ دونوں قومیں الگ الگ تھیں، دونوں کی بستیاں بھی الگ الگ تھیں، شعیب علیہ السلام ان میں سے پہلے ایک قوم کی طرف بھیجے گئے، ان کی ہلاکت کے بعد دوسری قوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔ دونوں قوموں پر جو عذاب آیا اس کے الفاظ بھی مختلف ہیں، اصحاب مدین پر کہیں ''صیحہ'' اور کہیں ''رجفہ'' مذکور ہے، اور اصحاب اَیکہ پر عذاب ظُلہ ذکر کیا گیا ہے۔ صیحہ کے معنی چنگھاڑ اور سخت آواز کے ہیں، رَجفہ کے معنی زلزلہ کے ہیں، اور ظلہ سائبان کو کہا جاتا ہے۔ اصحاب اَیکہ پر عذاب کی صورت یہ ہوئی کہ اول چند روز ان کی پوری بستی میں سخت گرمی پڑی جس سے ساری قوم بلبلا اٹھی، پھر ان کے

قریب جنگل پر ایک گہرا بادل آیا، جس سے اس جنگل میں سایہ ہوگیا اور ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں، یہ دیکھ کر سارے بستی کے آدمی اس بادل کے سایہ میں جمع ہوگئے، اس طرح یہ خدا کے مجرم بغیر کسی وارنٹ اور سپاہی کے اپنے پاؤں چل کر اپنی ہلاکت کی جگہ پہونچ گئے، جب سب جمع ہوگئے تو بادل سے آگ برسی اور زمین میں بھی زلزلہ آیا جس سے سب ہلاک ہوگئے۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا: کہ اصحاب مدین اور اصحاب اَیکہ ایک ہی قوم کا نام ہے اور عذاب کی جو تین قسمیں ابھی ذکر کی گئی ہیں، تینوں اس قوم پر جمع ہوگئیں، پہلے بادل سے آگ برسی پھر اس کے ساتھ سخت آواز چنگھاڑ کی شکل میں آئی پھر زمین میں زلزلہ آیا۔ ابن کثیرؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

بہرحال یہ دونوں قومیں الگ الگ ہوں یا ایک ہی قوم کے دو نام ہوں، حضرت شعیب علیہ السلام نے جو پیغام حق ان کو دیا: اے قوم! اللہ کی عبادت اور اطاعت کرو، اور امید رکھو دنیا کے آخری دن کی، جس میں بداعمالیوں کی سزا ملے گی، اور ملک میں فساد مچاتے نہ پھرو، بس انہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا، اور فتنہ وفساد سے باز نہ آئے، بس ان کو ایک سخت زلزلہ نے آ پکڑا، پس انہوں نے اس حال میں صبح کی کہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل مرے تھے۔

وَعَادًا وَثَمُودَ وَقَد تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن مَّسَاكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ٥(٣٨)	اور ہم نے عاد وثمود کو بھی ہلاک کیا، اور یہ ہلاک ہونا تم کو ان کے رہنے کے مقامات سے نظر آرہا ہے، اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظر میں مستحسن کر رکھا تھا، ان کو راہ حق سے روک رکھا تھا، اور وہ لوگ ہوشیار تھے۔

تشریح: یہاں سے قوم وعاد وثمود اور اس کا قصہ بیان کیا جارہا ہے: اور اس کی ہلات اور بربادی کے واقعات بیان کئے جارہے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ہم نے قوم عاد اور ثمود کو ہلاک کیا۔

عاد: ایک قدیم عرب قوم کا نام ہے جو جنوبی عرب میں آباد تھی اور اس کے حدود مشرق میں خلیج فارس کے شمال سے مغرب میں بحر قلزم کے جنوب تک وسیع تھے، گویا آج کے یمن، عمان سب اس میں شامل تھے اور ان کا پایہ تخت یمنی شہر حضر موت تھا۔ قوم کا نام اپنے مورث اعلیٰ کے نام پر ہے اور ان کا مشہور نسب نامہ یہ ہے: ''عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح'' اپنے زمانہ کی متمدن ترین قوم تھی، اپنے

لمبے لمبے سفروں کیلئے ضرب المثل تھی۔ (تفسیر ماجدی:۲/۲۳۴)

ثمود: قوم کے مورث اعلیٰ کا نام ثمود تھا، اور مشہور نسب نامہ یہ ہے: ''ثمود بن حشر بن زرم بن سام بن نوح'' عاد جس طرح عرب جنوبی اور مشرقی کے مالک تھے، ثمود اس کے مقابل عرب مغرب اور شمال پر قابض تھے، ان کے دارالحکومت کا نام ہجر تھا، یہ شہر حجاز سے شام کو جانے والے قدیم راستہ پر واقع تھا، اب عموماً اس شہر کو مدائن صالح کہتے ہیں، یہ شمال عرب کی ایک زبردست قوم تھی، فن تعمیر میں عاد کی طرح اس کو بھی کمال حاصل تھا، پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بنانا، پتھروں کی عمارتیں اور مقبرے تیار کرنا اس قوم کا خاص پیشہ تھا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ریاضیات، ہندسہ اور انجینئری کے فنون میں اس کو کمال حاصل تھا، یہ یادگاریں کھنڈروں کی صورت میں اب بھی باقی ہیں، ان پر ارامی اور صنوبی خط میں کتبے منقوش ہیں۔ (تفسیر ماجدی:۲/۲۳۸)

ان کی تباہی اور بربادی ان کے مکانوں سے ظاہر ہوتی ہے، کہ اجاڑ اور کھنڈر پڑے ہوئے ہیں، ان کو تم یمن آتے جاتے دیکھتے ہو، اور ان کھنڈروں سے آثار عذاب محسوس کرتے ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان نے ان کے اعمال یعنی کفر اور تکذیب کو آراستہ کر دیا تھا، حالانکہ وہ لوگ دنیا کے کام میں بڑے ہوشیار تھے، اور اپنے نزدیک بڑے عقلمند تھے، مگر شیطان نے ان پر ایسا جادو کیا کہ پیغمبر کی معقول باتیں تو ان کی سمجھ میں نہ آئیں اور شیطان کے جال اور فریب میں پھنس گئے۔

ان شامت زدہ قوموں میں لوگ ایسے نہ تھے جو عام طور سے احمق، بے وقوف، وحشی، لاعقل سمجھتے جاتے، اچھے خاصے مہذب، شائستہ، متمدن لوگ تھے، دنیا کے اور سارے معاملات میں بڑے سوجھ بوجھ والے، بڑے بڑے تاجر، بڑے بڑے صناع، بڑے بڑے جہاز راں، بس ایک ہی دن کے معاملے میں غفلت کے پردہ پڑے ہوئے تھے، گویا ہو بہو نقشہ آج کی مہذب و متمدن قوموں کا ہے۔

قرآن کا پہلا حق یہ ہے کہ اسے انتہائی عاجزی اور انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ یہ سمجھ کر پڑھا جائے کہ یہ ربّ العٰلمین اور احکم الحاکمین کا کلام ہے، اس ہستی کا کلام ہے جس کے قبضہ میں آسمان و زمین ہیں اور جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اس کے کلام کو پڑھتے ہوئے آدمی کے جسم پر لرزہ اور کپکپی طاری ہو جانی چاہئے، نہ کہ یہ کیفیت ہو کہ آدمی قرآنِ مجید پڑھے اور اسے معلوم ہی نہ ہو کہ کیا پڑھا ہے۔

❍❖❍

قلم کاروں سے گذارش

درس حدیث

لا الہ الا اللہ کی خاص فضیلت

جناب مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ، جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء بہار

عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ ﷺ: اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ .

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل ذکر ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' ہے۔

تشریح: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب کلموں میں افضل یہ چار کلمے ہیں: ''سُبْحَانَ اللّٰه ،اَلْحَمْدُلِلّٰه، لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ، اور اَللّٰهُ اَكْبَر'' اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کو افضل ترین کلمہ فرمایا گیا ہے۔

واقعہ یہی ہے کہ دنیا بھر کے دوسرے سب کلموں اور کلاموں کے مقابلے میں تو یہ چاروں کلمے افضل ہیں، لیکن ان سب میں نسبتاً ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا الـلّٰه'' افضل ہے، کیونکہ ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا الـلّٰه'' باقی تینوں کلموں کے مدعا کو بھی ضمنی طور پر اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ جب بندہ یہ کہتا ہے کہ معبود برحق صرف اللہ ہے اس کے سوا کوئی نہیں، تو اس کے ضمن میں یہ بات خود بخود آ جاتی ہے کہ وہ ہر نقص وعیب سے پاک اور منزہ ہے، اور تمام صفات کمال کا وہ جامع ہے اور عظمت و کبریائی میں وہ برتر ہے، کیونکہ جو لاشریک معبود ہو اس میں یہ سب باتیں ہونا لازمی ہیں، اس لئے جس نے صرف ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه'' کہا، اس نے گویا وہ سب کچھ بھی کہہ دیا جو ''سُبْحَانَ اللّٰه ،اَلْحَمْدُلِلّٰه اور اَللّٰهُ اَكْبَر'' کے ذریعہ کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ''لَا اِلٰهَ اِلَّا الـلّٰـه'' کلمہ ایمان ہے اور اسی لئے سب پیغمبروں کی تعلیم کا پہلا سبق ہے۔ باطن کی تطہیر اور قلب کو ہر طرف سے موڑ کے اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرنے میں سب سے زیادہ مؤثر اسی کلمہ ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا الـلّٰـه'' کا ذکر ہوتا ہے؛ اسی لئے ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایمانی کیفیت کو قلب میں تازہ کرنے اور ترقی دینے کیلئے اس کلمہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کی کثرت پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: مَاقَالَ عَبْدٌ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصًامِنْ قَلْبِہٖ اِلَّافُتِحَتْ لَہٗ اَبْوَابُ السَّمَاءِ حَتّٰی تُعْضِیَ اِلَی الْعَرْشِ مَااجْتَنَبَ الْکَبَائِرَ. (رواہ الترمذی)

نے فرمایا: جو بندہ دل کے اخلاص سے کہے: اس کیلئے لازماً آسمانوں کے دروازے کھل جائیں گے، یہاں تک کہ وہ کلمہ عرش الٰہی تک پہونچے گا، بشرطیکہ وہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔

تشریح: اِس حدیث میں کلمہ ''لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' کی ایک خاص فضیلت وخصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر اخلاص سے یہ کلمہ کہا جائے اور اللہ سے دُور کرنے والے بڑے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیا جائے تو یہ کلمہ براہِ راست عرش الٰہی تک پہونچتا ہے اور خاص مقبولیت سے نوازا جاتا ہے۔

عَنْ اَبِی سَعِیدِ الْخُدرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: قَالَ: مُوسیٰ علیہ السلام یَارَبِّ! عَلِّمْنِی شَیْئًا اَذْکُرُکَ بِہٖ اَوْ اَدْعُوْکَ بِہٖ؟ فَقَالَ: یَامُوسیٰ قُلْ ''لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' فَقَالَ: یَارَبِّ! کُلُّ عِبَادِکَ یَقُوْلُ ھٰذَا اِنَّمَااُرِیْدُ شَیْئًاتَخُصُّنِیْ بِہٖ، قَالَ: مُوسیٰ! لَوْاَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَعَامِرَھُنَّ غَیْرِیْ وَالْاَرْضِیْنَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِی کِفَّۃٍ وَلَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فِی کِفَّۃٍ لَمَالَتْ بِھِنَّ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ. (البغوی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا: اے میرے رب! مجھ کو کوئی کلمہ تعلیم فرما جس کے ذریعہ میں تیرا ذکر کروں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! ''لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' کہا کرو، انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے کہتے ہیں، میں تو وہ کلمہ چاہتا ہوں جو آپ خصوصیت سے مجھے ہی بتائیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور میرے سوا وہ سب کائنات جس سے آسمانوں کی آبادی ہے اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور دوسرے پلڑے میں ''لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' تو ''لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' کا وزن اُن سب سے زیادہ ہوگا۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی اور محبت کا جو خاص تعلق تھا اور اس کی بنا پر قرب خصوصی کی جو قدرتی خواہش تھی اسی کی وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ مجھے ذکر کا کوئی خاص کلمہ تعلیم فرمایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ''لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' بتایا جو افضل الذکر ہے۔ انہوں نے عرض کیا: میری استدعا کسی خاص کلمہ کیلئے ہے جس سے مجھے ہی نوازا جائے۔ الغرض کلمہ ''لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' کا عموم اس کی قدر و قیمت اور عظمت کے بارے میں ان کیلئے حجاب بن گیا، اس لئے ان کو بتایا گیا کہ

"لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ" کی حقیت زمین وآسمان کی ساری کائنات کے مقابلے میں زیادہ قیمتی اور بھاری ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ ہے کہ اُس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ یہ نعمت عظمیٰ ہر عامی کو بھی پہونچادی ہے۔ بہر کیف انبیاء ومرسلین کیلئے بھی کوئی کلمہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" سے زیادہ قیمتی اور بابرکت نہیں ہے۔

اس بے بہا نعمت خداوندی کا شکر یہی ہے کہ اس کلمۂ پاک کو اپنا وِرد بنایا جائے، اور اس کی کثرت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے خاص رابطہ قائم کیا جائے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷛ قَالَ: قَالَ رسُولُ اللّٰه ﷺ مَنْ قَالَ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَحدَهٗ لَاشَرِیکَ لَهٗ لَهُ المُلکُ وَلَهُ الحَمدُ وَهُوَ عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ قدیر، فی یومٍ مائة مَرَّةٍ کَانَتْ لَهٗ عِدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ وَکُتِبَتْ لَهٗ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَمُحِیَتْ عَنهُ مِائَةُ سَیِّئَةٍ وَکَانَتْ لَهٗ حِرْزًا مِنَ الشَّیطَانِ یَومَهٗ ذَالِکَ حَتّٰی یُمْسِیَ وَلَمْ یَاتِ اَحَدٌ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ اِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ اَکْثَرَ مِنْهُ. (بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے سو دفعہ کہا: "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـه وَحْدَهٗ لَاشَرِیکَ لَهٗ لَهُ المُلکُ وَلَهُ الحَمدُ وَهُوَ عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ قدیر" تو وہ دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب کا مستحق ہوگا اور اس کیلئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی، اور اس کی سو غلط کاریاں محو کردی کائیں گی، اور یہ عمل اس کیلئے اُس دن شام تک شیطان کے حملہ سے حفاظت کا ذریعہ ہوگا اور کسی آدمی کا عمل اس کے عمل سے افضل نہ ہوگا سوائے اُس آدمی کے جس نے اس سے بھی زیادہ عمل کیا ہو۔

تشریح: بیشک یہ کلمہ توحید "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَحدَهٗ لَاشَرِیکَ لَهٗ لَهُ المُلکُ وَلَهُ الحَمدُ وَهُوَ عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ قدیر" جس میں کلمہ "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه" پر کچھ اور اضافہ ہے جس سے اس کے منفی ومثبت مضمون کی مزید تشریح اور وضاحت ہوتی ہے، اتنا ہی عظیم القدر اور بابرکت ہے جتنا کہ اس حدیث شریف میں بتایا گیا ہے، بعض لوگوں کو ایسی حدیثوں کے بارے میں شکوک وشبہات ہوتے ہیں جن میں کسی کلمہ کو اتنا بڑا ثواب بتایا جائے، حالانکہ خود انہیں اپنی زندگی میں بارہا اس کا تجربہ ہوا ہوگا کہ بُرائی اور فساد کا ایک کلمہ آگ لگا دیتا ہے، اور اس کے منحوس اثرات برسہا برس تک کیلئے خاندانوں اور گروہوں کی زندگیوں کو جہنم بنادیتے ہیں اسی طرح کبھی خلوص سے نکلا ہوا ایک اصلاحی کلمہ خیر فساد کی بھڑکتی آگ کو بجھانے میں ٹھنڈے پانی کا کام کرتا ہے، اور بے چینیوں اور تلخیوں کو دُور کرکے زندگیوں کو باغ وبہار بنادیتا ہے۔ انسان کو زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک کلمہ کے جو اثرات ہماری اس دنیا ہی میں ہوتے ہیں ان میں غور وفکر کرکے آخرت کے ان سے بڑے اور دُور رس نتائج وثمرات کا سمجھنا زیادہ مشکل نہیں رہتا۔ ❍❖❍

مقالات ومضامین

دنیا میں بڑھتی افراتفری اور امت مسلمہ کی ذمہ داریاں!

مولانا محمد اسرار الحق قاسمی، ایم پی

عہدِ حاضر میں جس تیزی کے ساتھ عالمی سطح پر افراتفری پھیل رہی ہے، وہ پوری دنیائے انسانیت کیلئے تشویشناک امر ہے۔ دنیا کے اکثر ممالک میں تباہی اور افراتفری کے مناظر کا پہلی نظر میں ہی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے لیکن بعض ممالک ایسے ہیں جن میں بظاہر افراتفری وتباہی دکھائی نہیں دیتی ہے مگر جب گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اندر اندر تباہی کے راستے پر چل رہے ہیں۔ مثال کے طور پر فی زمانہ دنیائے انسانیت کو خطرناک لڑائیوں کا سامنا ہے۔ گذشتہ صدی میں دو عالمی جنگیں ہو چکی ہیں جن میں بڑے پیمانے پر جانی ومالی نقصان ہوا۔ ایک اندازے کے مطابق پہلی جنگ عظیم (1917) میں تقریباً 90/لاکھ لوگ ہلاک ہوئے۔ 2/کروڑ 20/لاکھ شدید زخمی ہوئے اور 2/کروڑ 50/لاکھ لوگ معذور ہو گئے۔ یہ مجموعی اعداد وشمار نہیں ہیں بلکہ میدانِ جنگ کے ہیں جو افراد اپنے شہروں، قصبوں اور گاؤں میں جنگ کے اثرات سے متاثر ہو کر جاں بحق ہوئے، ان کی تعداد اور بھی زیادہ بتائی جاتی ہے۔ اس جنگ کے نتیجے میں لگ بھگ 50/لاکھ عورتیں بیوہ ہو گئی تھیں، لاکھوں بچے یتیم اور لاکھوں عورتیں وبچے غائب ہو گئے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے نتائج اس سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوئے۔ اس میں ہلاک ہونے والے فوجیوں اور عام لوگوں کی تعداد ایک اندازے کے مطابق 54.8 ملین تھی یعنی پہلی جنگِ عظیم کے مقابلے میں چھ گنا زیادہ جس کے اعتبار سے اس جنگ کے نتیجے میں مرنے والوں کی تعداد کسی بھی صورت میں 5/کروڑ سے کم نہیں بیٹھتی۔ اس جنگ میں معذور ہونے والوں کی تعداد دو کروڑ تھی۔ واشنگٹن پوسٹ کی تحقیقی رپورٹ کے مطابق 20ویں صدی کی جنگوں میں 10/کروڑ افراد ہلاک ہوئے۔

21/ویں صدی کی شروعات بھی خوفناک واقعات اور جنگوں سے ہوئی۔ 11/ستمبر 2001ء کو امریکہ کی دو فلک بوس عمارتیں مغویہ ہوائی جہازوں کے حملوں میں زمیں بوس ہو گئیں، جس کے نتیجے میں وہ دونوں بلند وبالا ٹاور خاکستر ہو گئے اور اس میں موجود ہزاروں افراد لقمۂ اجل بن گئے۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس نے پوری دنیا کو ہلاک کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے تیزی کے ساتھ جنگوں اور حملوں کا

سلسلہ شروع ہوگیا۔ 2001ء میں ہی افغانستان پر چڑھائی کردی گئی اوراس وقت کی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔اس جنگ میں عوام بھی متاثر ہوئے اور بڑی تعداد میں افغانی باشندے موت کی نیند سو گئے۔ تصادم،مارکاٹ اور قتل وغارت گری کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔15 ؍سال کے عرصے میں یقیناً افغانستان میں موت کی بہت بڑی جانی ومالی تباہی ہوئی۔2003ء میں عراق پر جنگ مسلط کردی گئی۔چاروں طرف سے ناکہ بندی کرکے اس ملک کی صدام حکومت کوزیروزبر کردیا گیا،دورانِ جنگ مرنے والوں کی تعداد اچھی خاصی تھی ہی لیکن جنگ کے بعد ہلاک ہونے والوں کی تعداد کتنے ہی گنا زیادہ ہے۔یہ پورا ملک سخت تباہی سے دوچار ہوا ہے،بعض اندازوں کے مطابق 2003ء کے بعد سے اب تک عراق میں 20 ؍لاکھ سے زیادہ لوگ مارے جاچکے ہیں۔افغانستان اور عراق کی طرح لیبیا میں خوفناک حالات بنے۔وہاں انقلاب کے نام پر معمر قذافی کے اقتدار کا خاتمہ کردیا گیا اوراس کے نتیجے میں بے شمار لوگوں کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔وہاں عدمِ استحکام کی صورتِ حال ہنوز جاری ہے۔تیونس میں بھی اسی طرح کے حالات سامنے آئے۔مصر میں افراتفری کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پہلے وہاں حسنی مبارک کے اقتدار کا خاتمہ ہوا۔نئے صدر محمد مرسی عوامی رائے سے منتخب ہوئے لیکن مصر کی فوج حسنی مبارک کے گروپ اور مغربی ممالک کو محمد مرسی ایک آنکھ نہیں بھائے۔ چنانچہ فوج نے بغاوت کردی۔ایک خوفناک لڑائی ہوئی،بڑی مقدار میں انسانی خون بہا محمد مرسی کو گرفتار کرلیا گیا۔ اس کے بعد محمد فتح السیسی کے ہاتھوں میں اقتدار دے دیا گیا،جو بڑا متشدد اور سخت واقعہ ہوا۔مصر میں سخت اور نازک حالات ابھی بھی برقرار ہیں اور آئے دن مصری عوام باہمی تصادم اور جھڑپوں کے سبب ہلاک ہورہے ہیں۔اگر بات ملک شام کی کی جائے تو یہاں صورت حال اور زیادہ ابتر ہے۔پانچ سال سے زائد عرصہ بیت چکا ہے مگر وہاں حکومت اور عوام کے مابین جاری تصادم میں کوئی کمی واقع نہیں ہورہی ہے۔اب تک کئی لاکھ لوگ شام میں لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔یہ تو چند ممالک کے حالات ہیں۔اگر اسی طرح سے اور بھی ملکوں میں پھیلی بدامنی اور افراتفری کا جائزہ لیا جائے تو وہاں بھی باہمی لڑائیوں میں روز بروز انسانی جانیں تباہ ہوچکی ہیں۔سیاسی حالات جس تیزی کے ساتھ بگڑ رہے ہیں۔اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے بعض مبصرین نے تو تیسری عالمی جنگ کے خدشات ظاہر کردیے ہیں۔اگر خدانخواستہ اب تیسری عالمی جنگ ہوئی تو انسانوں کا کتنا بڑا نقصان ہوگا،سابقہ عالمی جنگوں اور موجودہ حالات کو پیش نظر رکھ کر اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

دنیا کے حالات اس طور پر بھی بہت زیادہ خراب ہوچکے ہیں کہ دنیا میں مادیت اور روحانیت کے درمیان

توازن بگڑ گیا ہے۔عوام الناس کا سارا زور مادیت پر ہو گیا ہے۔آج لوگ مالدار بننے کی خواہش رکھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے پاس جائیداد ہو، بینک بیلنس ہو، گاڑیاں ہوں، بڑے اور آراستہ مکانات ہوں اور عیش ومستی کرنے کیلئے ڈھیر سارے وسائل وذرائع ہوں۔اپنی اس خواہش کی تکمیل کیلئے وہ شب وروز ایک کررہے ہیں۔انھیں نہ دن میں چین ہے اور نہ رات میں سکون۔رات دن ایک کرنے کے باوجود بھی بہت سے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پارہے ہیں۔ان کی معیشت مضبوط نہیں ہو پارہی ہے۔ان کے پاس بینک بیلنس نہیں بن پارہا ہے۔یہاں تک کہ ان کی اپنی احتیاجات بھی پوری نہیں ہو پارہی ہیں۔مکان بنانے کی ضرورت ، دو وقت کے کھانے کی ضرورت اور بچوں کی شادیوں کی ضرورت ان کی کمر کو توڑے ڈال رہی ہے۔ایسے لوگ نہایت پریشان ہیں، بے چینی کی زندگی گزار رہے ہیں۔کتنے لوگ اپنی ناکامی کے باعث ڈپریشن کے شکار ہو چکے ہیں۔کتنے لوگ اپنی احتیاجات کو دیکھتے ہوئے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں اور غلط راستے اختیار کررہے ہیں۔ایسی صورت میں وہ اپنے لیے بھی خطرناک ثابت ہوتے ہیں اور دوسروں کیلئے بھی۔

مال ودولت کی بڑھتی خواہش کے باعث بہت سے لوگ ایمانداری اور دیانت داری کا سبق بھول گئے ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ کمانے کیلئے خطرناک ہتھکنڈے استعمال کررہے ہیں، کتنے لوگ ایسے ہیں جو نشہ آور اشیا کی خرید وفروخت کر کے اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں مگر دوسروں کی زندگیوں سے کھلواڑ کررہے ہیں۔ بعض لوگ جرائم، بدعنوانی اور رشوت خوری کے ذریعہ دوسروں کے حقوق غصب کررہے ہیں۔کرپشن اور بدعنوانی کی جہاں تک بات ہے تو آج اس میں کوئی ایک طبقہ ملوث نہیں ہے بلکہ چھوٹے بڑے سبھی طبقات ملوث نظر آتے ہیں۔اشیائے خوردنی میں ملاوٹ اور وہ بھی خطرناک کیمکل کی ملاوٹ کے واقعات سامنے آرہے ہیں۔سبزیوں کی ملاوٹ نے بھی انسانی زندگی کو دوبھر کردیا ہے۔کسان زیادہ کمانے کیلئے یا پھر اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے ہائی بریڈ سبزیاں تیار کررہے ہیں جو انسانوں کیلئے بڑی خطرناک ثابت ہو رہی ہیں۔گویا کہ مادی سطح پر انسان بہت حد تک بچھڑ چکا ہے۔

روحانی لحاظ سے جب آج کے انسان کا جائزہ لیا جاتا ہے تو وہ اس میدان میں بڑا لٹا پٹا دکھائی دیتا ہے۔لوگوں کے درمیان سے دورِ حاضر میں روحانیت ختم سی ہو گئی ہے۔بہت سے لوگ تو روحانیت کے معانی ومفاہیم تک سے واقف نہیں۔حالاں کہ روحانیت کو انسانی زندگی میں بہت بڑا دخل ہے۔روح کے بغیر انسان جس کی زندگی کا تصور محال ہے، روح کے اطمینان کے بنا انسان کی زندگی میں سکون کا گذر نہیں ہوتا

۔روحانیت انسان کو معتدل بناتی ہے، گناہوں اور بدعنوانیوں سے نجات دلاتی ہے اور انسان کو اس فرضِ منصبی یاد دلاتی ہے۔اسی لیے مفکرین نے کہا ہے کہ دنیا میں روحانیت اور مادیت کے درمیان توازن ضروری ہے۔ان میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کرنے میں بڑا نقصان ہے۔روحانیت سے انسانی اقدار کے چشمے پھوٹتے ہیں۔انسان بااخلاق و باکردار بنتا ہے اور اپنے لیے بھی بہتر ثابت ہوتا ہے اور دوسروں کیلئے بھی بہتر ثابت ہوتا ہے۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سے گوشے ایسے ہیں جن کے اعتبار سے دورِ حاضر کے انسان کی زندگی کا جائزہ لینے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ حقیقت یہی ہے کہ موجودہ دور میں انسان خسارے میں ہے اور ہر طرف سے تباہی و بربادی کے درمیان گھرتا چلا جا رہا ہے۔جیسا کہ قرآن میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاس۔**

دنیائے انسانیت کو تباہی وافراتفری سے بچانے کیلئے دنیوی نظام ناکام ثابت ہو چکے ہیں۔ بڑے بڑے مفکرین نے انسانوں کو مختلف نظریات دیے لیکن وہ بھی ناکام ہو چکے ہیں۔دراصل اس وقت انسان کو خدائی نظام وقانون کی ضرورت ہے، خدائی احکامات ونواہی کی ضرورت ہے۔اس اعتبار سے دیکھا جائے تو روئے زمین پر فی الوقت اسلام ایک ایسا دین نظر آتا ہے جو انسانوں کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے اور عوام الناس کو تباہی و بربادی سے بچا سکتا ہے کیونکہ وہ کسی بھی طرح کی ترمیم وتبدیلی سے محفوظ ہے جب کہ دوسرے مذاہب تبدیلی وتحریف کے شکار ہو چکے ہیں جس کے باعث وہ انسانوں کو مکمل رہنمائی کا فریضہ انجام نہیں دے سکتے۔اللہ کی جانب سے نازل ہونے والی کتابوں میں قرآن محفوظ بھی ہے اور انسانوں کی رہبری کیلئے مکمل وجامع بھی ہے۔قرآن کی حفاظت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنا الذکر وانا له لحافظون**۔یعنی باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' ظاہر ہے کہ جس کی حفاظت باری تعالیٰ خود لے رہا ہے، اس کو کوئی کیسے بدل سکتا ہے یا مٹا سکتا ہے۔دین اسلام کی جامعیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا''

معلوم ہوا کہ دین اسلام انسانوں کی فلاح یابی وکامیابی کیلئے ناگزیر ہے۔پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات اور آپ کی احادیث کا بھی بہت بڑا ذخیرہ مسلمانوں کے پاس محفوظ ہے۔گویا کہ اس دنیا میں مسلمان ایک ایسی قوم ہے جو پوری بنی نوعِ انساں کیلئے مفید ثابت ہوسکتی ہے۔قرآن کی اس آیت ''**کنتم خیر امت**

اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر میں صاف کہا گیا ہے کہ امت مسلمہ بہترین امت ہے۔اسے لوگوں کیلئے اٹھایا گیا ہے۔اس کا کام اچھائی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا ہے۔ یعنی دنیا میں دوسری قوموں کی رہبری کا فریضہ بھی انجام دینا ہے۔

اب غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ کیا مسلمان اپنے اس فریضہ کو انجام دے رہے ہیں؟اور وہ دوسروں کیلئے کوئی کردار ادا کر پا رہے ہیں۔فی زمانہ مسلمانوں کی صورت حال یہ ہے کہ وہ بے اثر ہو گئے ہیں اور اپنے فرائضِ منصبی سے غافل ہو کر زندگی گزار رہے ہیں اور فی الوقت وہ اس پوزیشن میں بھی نظر نہیں آتے کہ دوسرں کی رہبری کا کام کریں۔کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت خود خدائی نظام سے دور ہے اور اسلام کے مطابق کماحقہ زندگی نہیں گزارتی ، بہت سے مسلمان اسلامی تعلیمات سے بھی واقف نہیں۔ایسے میں وہ کیسے اپنے لیے اور دوسروں کیلئے بہتر ثابت ہو سکتے ہیں۔مسلمانوں کی رہبری چونکہ دنیا کو حاصل نہیں اور لوگ ان کے کردار سے محروم ہیں،اس لیے دن بہ دن بدترین حالات سے دوچار ہوتے جارہے ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب مسلمانوں کی رہبری دنیا کو حاصل تھی تو دنیا کے لوگوں نے بہت کچھ پایا مگر جب دنیا پر مسلمانوں کا اثر نہ رہا تو ساری دنیا تباہی کے راستے پر چل پڑی۔ایسے میں مسلمانوں پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو دین کے مطابق ڈھالیں۔اسلامی تعلیمات سے واقف ہوں،قرآن پر عمل کریں،رسولِ خدا ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کو اپنے لیے نمونہ بنائیں اور تعمیری کردار پیش کریں۔یہ یاد رکھیں کہ اگر انھوں نے اپنے آپ کو اسلام کا پابند نہیں بنایا اور دنیا کی فکر نہ کی تو اس سے ان کا اپنا بھی نقصان ہوگا اور دنیائے انسانیت کو بھی خسارے سے دوچا ہونا پڑے گا۔تاریخ سے ثابت ہے کہ جب دنیا پر مسلمانوں کے اثرات تھے تو دنیا میں امن وامان کی ہوائیں چل رہی تھیں اور دنیا کے لوگ زندگی کے مختلف شعبوں میں ترقی کر رہے تھے،مگر جب دنیا میں مسلمانوں کے اثرات نہ رہے،تو دنیا کو بڑے خسارے سے دوچار ہونا پڑا۔ بہت سے شعبوں میں دنیا کے لوگ پچھڑ گئے جس کے باعث انسانی زندگی غیر متوازن ہو کر رہ گئی اور اس کے نتائج آج ہمارے سامنے ہیں۔یہ حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ دنیا میں اسلام کی روشنی کو پھیلایا جائے اور انسانی زندگی کے فائدے کیلئے مخلصانہ کوششیں کی جائیں۔مسلمان اگر اپنے دینی سرمایہ کے ذریعہ انسانیت کی خدمت کرنا چاہیں تو وہ یقیناً بڑے پیمانہ پر پوری بنی نوع انساں کی خدمت انجام دے سکیں گے۔ کاش!مسلمان اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کریں اور تمام دنیا کیلئے بہتر ثابت ہوں۔ ❍❖❍

علماء اور دینی خدمت گذاروں کے لئے لمحہ فکریہ!

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اگر ہم گذشتہ چند صدیوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ صلیبی جنگوں کے خاتمہ کے بعد ایک دور ایسا گذرا، جب عیسائی دنیا پستی اور تنزلی کے دلدل میں پھنسی رہی، پھر جب اس وقت کی ترقی یافتہ قوم امت مسلمہ سے علم کی روشنی اسپین کے راستہ یورپ تک پہنچی تو مغرب نے ایک نئی کروٹ لی اور اس کی بیداری صنعتی ترقی کے اس عظیم واقعہ کی شکل میں ظاہر ہوئی، جس کا تسلسل اب تک جاری ہے، مغرب کی مادی اور علمی ترقی نئی نئی منزلیں فتح کر رہی ہے اور مسلسل آگے کی طرف جاری ہے اور مسلمانوں کے ادبی اور علمی زوال کی داستان بھی دراز سے دراز تر ہوتی جارہی ہے، اس ترقی کا سہارا لے کر ایک نئی صلیبی جنگ استعماریت کی شکل میں شروع ہوئی، جس نے ایشیا و افریقہ اور خاص کر عالم اسلام کے بڑے حصے کو فتح کرتے ہوئے اسے اپنی نو آبادی بنالیا، یہ استعماریت آخر اس وقت تک جاری رہی، جب تک خلافت عثمانیہ کا سقوط نہ ہو گیا اور عالم اسلام کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کامیاب نہ ہو گئی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ مسلم ممالک کو آزادی نصیب ہوئی؛ لیکن اکثر و بیشتر یہ نام نہاد آزادی تھی، ان کے گلے میں غلامی کا ایسا طوق پہنایا گیا، جو آنکھوں کو نظر نہ آئے؛ لیکن وہ صرف جسم ہی کی غلامی نہ ہو؛ بلکہ دل و دماغ کی بھی غلامی ہو، جس میں ایک قوم خود اپنے بارے میں فیصلہ کرتی ہوئی نظر آئے؛ لیکن اس کی حیثیت اس جہاز کی ہو جسے ریموٹ کے ذریعہ کنٹرول کیا جاتا ہے، اسی دور میں کارل مارکس نے کمیونزم کا صور پھونکا اور دنیا کے دو بڑے ممالک — روس، چین — اس نئے فلسفہ حیات اور نظام معیشت پر ایمان لے آئے، کمیونزم سرمایہ داری کے خلاف اعلان جنگ تھا، اب دنیا میں فکری اعتبار سے تین فریق بن گئے، مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام، مشرق کا اشتراکی نظام اور اسلام، اگرچہ ان دونوں نظام ہائے حیات کو اسلام سے بغض تھا؛ لیکن چوں کہ عالم اسلام اپنی پستی اور کمزوری کی وجہ سے کمزور دشمن شمار کیا جاتا تھا؛ اس لیے اصل سرد جنگ مغربی قوتوں اور اشتراکیت کے حامل مشرقی ملکوں کے درمیان قائم رہی، اس سے ایک توازن قائم تھا، بغض و عناد رکھنے کے باوجود یہ دونوں بڑی طاقتیں مسلم ملکوں کو اپنا ہمنوا رکھنا چاہتی تھیں، اور چوں کہ سرمایہ دارانہ نظام کے حامل ممالک مذہب کی بالکل نفی نہیں کرتے تھے؛ اس لیے کمیونسٹ ملکوں کے مقابلہ میں عالم اسلام اور مسلمان مغربی قوتوں سے زیادہ

قریب رہے، مغربی اقوام نے بھی یہ رویہ رکھا کہ وہ علی الاعلان کمیونزم کے خلاف تو بولتے تھے اور اپنے ذرائع ابلاغ کو بھی ان کے خلاف خوب خوب استعمال کرتے تھے؛ لیکن اسلام اور مسلمانوں کو براہ راست نشانہ بنانے میں کسی قدر رعایت سے کام لیتے تھے۔ کمیونزم کی بنیاد ایسے اصولوں پر تھی، جو پوری طرح فطرت سے متصادم تھے؛ اس لیے صرف ستر سال کے اندر ہی اس کی جائے پیدائش ہی اس کا مدفن بن گیا، اس نظام کا سب سے بڑا نمائندہ ملک اور دوسری سوپر طاقت ''روس'' خود اپنی وحدت کو بچا نہیں سکا اور اس کے ٹکرے ہوگئے، اب دنیا میں دو ہی تصورات باقی رہ گئے، ایک اسلام، دوسرے مغربی تہذیب اور مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام، دشمن کا مقابلہ کرنے اور کسی فکر کے تحفظ میں دو طرح کے لوگوں کا اہم کردار ہوتا ہے، ایک: حکومتوں کا، جن کے پاس فوجی طاقت ہوتی ہے، جن کے پاس مادی وسائل ہوتے ہے، جو زروزمین کی مالک ہوتی ہیں، جو ٹکنالوجی کی حامل ہوتی ہیں، اس کو وجود میں لانے اور ترقی دینے کا کام انجام دیتی ہے اور اس کیلئے وسائل فراہم کرتی ہیں، دوسرے: وہ لوگ جو اس فکر کے ترجمان اور اس کے شارح ہوتے ہیں، جو فکری اعتبار سے اس کا دفاع کرتے ہیں، جو اپنی زبان اور قلم کے ذریعہ عوام کو اس سے وابستہ رکھتے ہیں، کسی بھی فکر کے بقا اور کسی بھی نظام کے دوام واستحکام کیلئے ان دونوں طبقوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، ایک کے پاس فولاد کی طاقت ہوتی ہے، دوسرے کے پاس علم کا ہتھیار ہوتا ہے، ایک نوک شمشیر سے میدان سر کرتا ہے، دوسرا زبان وقلم سے، ایک زمین کو فتح کرتا ہے اور دوسرا دل ودماغ کو۔ چنانچہ اب مشرق ومغرب کی پوری طاقت اسلام، مسلمان اور عالم اسلام کی طرف متوجہ ہے، مسلم حکومتوں کو زیر کرنے میں انھیں کچھ زیادہ دشواری پیش نہیں آئی؛ کیوں کہ خلافت عثمانیہ کے ختم ہونے کے بعد پورے عالم اسلام میں کوئی ایسی طاقت باقی نہیں رہی، جو مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرسکے، ان کو مزید کمزور کرنے کیلئے، دو خصوصی تدبیریں اختیار کی گئیں، ایک یہ کہ ان کے زیادہ سے زیادہ ٹکرے کردیے گئے، اتنے چھوٹے چھوٹے ممالک بنادیے گئے کہ بعض شہر بھی ان میں سے بعض ملکوں سے بڑے ہوں گے، اس طرح ان کی طاقت ٹوٹ گئی، قدرتی وسائل بٹ گئے، افرادی وسائل کم ہوگئے اور یہ بھی کوشش کی گئی کہ ان ملکوں کو پروانہ آزادی دیتے ہوئے سرحدوں کا اختلاف باقی رکھا جائے، اس اختلاف کے ذریعہ ان کے درمیان نفرت کی بیج بوئی گئی اور اسے مسلسل پروان چڑھایا گیا، آج اکثر مسلم ممالک کی یہی صورت حال ہے، سعودی عرب اور کویت اور سعودی عرب اور یمن کے درمیان سرحد کا اختلاف موجود ہے، قطر اور بحرین کے درمیان جھگڑا ہے، کویت

کوعراق سے اور متحدہ عرب امارات کی ایران سے لڑائی ہے، مصر اور سوڈان کے درمیان اختلاف ہے، خود سوڈان میں عرب اور غیر عرب قبائل کے درمیان نزاع ہے، فلسطین کی چھوٹی سی نامکمل حکومت کے دو حصے بنے ہوئے ہیں، شام اور ترکی کو ایک دوسرے سے بغض ہے، کرد، عراق، ترکی اور شام سے نبرد آزما ہے، پاکستان اور افغانستان کے درمیان کدورتیں ہیں، بنگلہ دیش میں حکومت اور اپوزیشن کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہے، غرض شرق بعید کے دو تین مسلم ملکوں کو چھوڑ کر تمام ہی مسلم ممالک اپنے مسلمان پڑوسی ملکوں سے یا ملک کے اندر دو طبقے ایک دوسرے سے برسر جنگ ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ مسلم ممالک کو حقیقی جمہوریت سے دور رکھا گیا؛ تاکہ وہاں ایسے لوگ نہ آ جائیں، جو اسلام پسند ہوں اور مغربی تہذیب کے مقابلہ شریعت اسلامی کو نافذ کرنا چاہتے ہوں؛ اسی لئے انگلی پر گنے جانے والے تین چار مسلم ممالک کو چھوڑ کر تمام ملکوں میں دو طرح کے حکمراں تخت اقتدار پر مسلط ہیں، ایک وہ جو خاندانی بادشاہت کے نمائندہ ہیں، وہاں ایک خاندان کو ملک کے عوام اور اس کے وسائل کا مالک سمجھا جاتا ہے، وہ پیدائشی طور پر حکمراں ہوتا ہے، اس کی زبان قانون ہوتی ہے، عوام کی نہ حکومت میں شرکت ہوتی ہے اور نہ ان کی رائے کو کوئی اہمیت دی جاتی ہے، ہاں، اگر اس حکمراں کے اندر ذاتی طور پر اللہ کا خوف، دین کی عظمت اور اپنے عوام کی محبت ہے تو اس کا رویہ بہتر ہوتا ہے؛ لیکن چوں کہ یہ کسی نظام کا نتیجہ نہیں ہے؛ بلکہ ایک شخص کے انفرادی اخلاق و اوصاف کا اثر ہے؛ اس لئے اس میں دوام و استمرار باقی نہیں رہتا – دوسرے قسم کے ممالک وہ ہیں، جہاں کسی فوجی جنرل نے اقتدار پر قبضہ کیا، پھر وہ ڈکٹیٹر بن گیا اور اس کے بعد یہ ڈکٹیٹر شپ اس کی نسلوں میں منتقل ہوتی رہی، عوام کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ جمہوری طور پر ان سے نجات پا سکیں، ان کے لئے نجات کی دو ہی صورتیں ہیں: یا تو کوئی فوجی یا ظلم وستم سے عاجز شخص تشدد کے ذریعہ اس کا خاتمہ کر دے، یا اللہ تعالیٰ اس کو اٹھا لے، ان ملکوں کا حال بھی پہلی قسم کے ملکوں سے مختلف نہیں؛ بلکہ زیادہ بُرا ہے، ان دونوں کی طرح کی حکومتوں میں مغربی طاقتوں نے اپنی سازشوں کے ذریعہ اس بات کی کامیاب کوشش کی ہے کہ یہ اصحاب اقتدار ان کا کھلونا بن کر رہیں، وہ نام کے مسلمان ہوں؛ لیکن پوری طرح مغربی افکار، مغربی تہذیب اور مغربی طرز حیات کے نمائندہ ہوں، ان کی زبان حق بولنے سے خاموش رہے، اس کو ٹکنالوجی سے محروم رکھ کر بنا بنایا سامان فراہم کیا جائے، ان کے وسائل سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے اور پھر قرض دے کر ان پر احسان جتایا جائے، ان کے ذریعہ عوام پر ظلم وستم کئے جائیں، جو لوگ اسلامی اور شریعت اسلام کا نام لیتے ہیں، انہیں دبایا جائے اور شرمناک

سزائیں دی جائیں، وہ اپنی عوام کے مالک ومختار ہوں اور مغربی آقاؤں کے غلام، آج کم وبیش پورا عالم اسلام اسی صورت حال سے دوچار ہے۔اس طویل عرصے میں مغرب کی مسلسل سازشوں اور ستم انگیزیوں کے باوجود مسلم ممالک میں بھی اور مسلم اقلیتی ممالک میں بھی جن لوگوں نے ملت اسلامیہ کو اسلام سے جوڑے رکھنے میں کامیابی حاصل کی ہے اور ان کی دینی حمیت اور ایمانی غیرت کی آگ کو بجھنے سے بچایا ہے، وہ وہی طبقہ ہے جو زبان وقلم کے ذریعہ اسلامی افکار کی ترجمانی کرتا ہے اور اخلاق ومحبت کی تلوار سے لوگوں کے دلوں کو فتح کرتا ہے، یہ طبقہ علماء اور دینی تحریکات کا ہے، مغرب کے استعماری دور میں ہی مسلمانوں میں اسلامی تحریکات وجود میں آنے لگیں اور انہیں فروغ حاصل ہوتا رہا، ان تحریکات کو فکر کا سرمایہ فراہم کرنے والا طبقہ علماء کا ہے، خلافت کے خاتمہ کے بعد کسی سرکاری اعانت کے بغیر اس طبقہ نے مسلمانوں کا دین سے رشتہ استوار کرنے میں جو کردار ادا کیا ہے، وہ نقش لازوال ہے، ورنہ نہ معلوم کتنے مسلمان ارتداد کا شکار ہو چکے ہوتے، وہریت اور الحاد پورے پورے ملک کو اپنے قبضہ میں لے لیتی، اسلامی شعائر کے بارے میں مسلمانوں کی دینی غیرت ختم ہو چکی ہوتی اور شریعت اسلامی سے ان کا رشتہ پوری طرح ٹوٹ چکا ہوتا، جیسے عیسائی معاشرہ میں کچھ لوگ اتوار کو چرچ چلے جاتے ہیں اور جیسے ہندو سماج میں کچھ افراد مندروں میں پہنچ کر نذر و نیاز پیش کر دیتے ہیں اور کچھ خاص خاص تہواروں کو دھوم دھام سے انجام دے لیتے ہیں، یہی حال مسلمانوں کا ہو گیا ہوتا؛ کہ ان میں جو لوگ مذہبی ہوتے وہ جمعہ اور عیدین میں شرکت کر لیتے اور کبھی کبھار مسجد چلے جاتے، ان کی عائلی زندگی، ان کی معیشت اور زندگی کے دوسرے مسائل میں شریعت کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔علماء نے ہمیشہ اپنی بساط بھر امت مسلمہ کو دین سے جوڑے رکھنے اور اسلام کو اللہ کی زمین پر نافذ کرنے کی کوشش کی؛ چوں کہ ان کی یہ کوشش حکمراں طبقہ کے عیش وعشرت کے منصوبوں میں خلل انداز ہوتی تھی؛ اس لئے زیادہ تر وہ اپنے اپنے عہد کے حکمرانوں کے معتوب ہی بنے رہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تو قرنِ اول میں نذرانہ شہادت پیش کر دیا تھا، امام ابوحنیفہ کو بنوامیہ اور بنوعباس دونوں زمانوں میں حکمراں شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے، دونوں حکومتوں میں انہیں کوڑوں سے مارا گیا، قید کی سزا سے بھی دوچار ہوئے، یہاں تک کہ زہر کا پیالہ پلا کر انہیں شہید کیا گیا، امام مالکؒ کو عباسی حکمراں منصور کے زمانے میں ستر (۷۰) کوڑے لگائے گئے اور اس طرح ان کی مشکیں کسی گئیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گئے، امام احمد بن حنبلؒ عباسی حکمراں مامون، معتصم اور واثق تینوں کے زمانہ میں ایسی شدید آزمائش سے گذرے کہ تاریخ عزیمت میں شاید اس کی مثال

مل سکے، جس شخص نے امام احمدؒ پر کوڑے برسائے خود اس کا بیان ہے کہ میں نے امام احمدؒ پر اس سختی کے ساتھ اسی (۸۰) کوڑے برسائے کہ اگر اس طاقت کے ساتھ میں ہاتھی پر کوڑوں کی بارش کرتا تو وہ بھی چیخ اٹھتا اور یہ بارش مدتوں امام احمد بن حنبل پر ہوتی رہی؛ لیکن پائے استقامت میں کوئی تزلزل نہیں آیا، امام بخاریؒ کا آخری زمانہ اس حال میں گذرا کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو چکی تھی، سعید بن جبیرؒ کو اس طرح ذبح کر دیا گیا جیسے جانور کو ذبح کیا جاتا ہے؛ لیکن حجاج بن یوسف کا جبر وظلم ان کو ذرا بھی خوفزدہ نہ کر سکا، ابن السکیت کی حق گوئی پر عباسی خلیفہ متوکل نے ان کی زبان کھینچوالی اور زبان کے ساتھ ساتھ ان کی روح بھی پرواز کر گئی، خود ہندوستان میں راہِ عزیمت میں علماء کی استقامت کی ایک وسیع تاریخ رہی ہے، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے اکبر کی دین بے زاری کے خلاف علم اصلاح بلند کیا اور پھر ایک مرحلہ ایسا آیا کہ گوالیار میں قید وبند کی صعوبتیں بھی اٹھائیں، مغل حکمرانوں کے دور میں مختلف علماء ومشائخ حق گوئی کے جرم میں شہید کر دئے گئے، کسی کو قتل کر دیا گیا، کسی کو ہاتھی کے قدموں تلے روند دیا گیا، کسی کو دیوار میں چن دیا گیا اور کوئی جلا وطن کر دیا گیا، ہندوستان کی جنگِ آزادی - جس میں علماء نے اسلام کی حفاظت کے لئے حصہ لیا - میں بے شمار علماء شہید کر دئے گئے، دلی کے مضافات میں ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں سرراہ درختوں پر پھانسی دے دے کر عبرت کیلئے علماء واہل دین کی لاشیں لٹکا کر رکھی گئیں، سید احمد شہید کی تحریک میں شامل کتنے ہی علماء صادق پور نے جام شہادت نوش کیا اور ان کے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی، شاملی میں بڑے بڑے علماء نے سربہ کف ہو کر برطانوی فوج کا مقابلہ کیا؛ لیکن کوئی چیز ان کی ثابت قدمی کو متاثر نہیں کر سکی۔ آزمائش کا ایک دوسرا رنگ بھی ہوتا ہے اور وہ ہے مال ومتاع کی لالچ دے کر کسی کو اس کی فکر سے ہٹا دینا اور اس کو اس کے مشن سے روک دینا، امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں منقول ہے کہ عباسی حکمراں متوکل نے جب پچھلے مظالم کی تلافی کے لئے امام احمد کے پاس ۲۰ ہزار سکے بھیجے اور ایک دوسرے موقع پر ایک لاکھ درہم بھیجے تو امام احمد نے معذرت کر دی اور فرمایا کہ یہ آزمائش اس آزمائش سے بڑھ کر ہے:

محدثین وفقہاء ہوں یا اکابر صوفیاء جیسے خواجہ حسن بصری، شیخ عبدالقادر جیلانی، مشائخ ہند میں خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ فرید الدین گنج شکر، خواجہ نظام الدین اولیاء، شیخ شرف الدین یحیٰ منیری - رحمہم اللہ - وغیرہ ان سب کے حالات دیکھئے، یہ بادشاہوں اور حکمرانوں سے اور ان کی طرف سے ملنے والے مناصب اور نذرانوں سے اس طرح بھاگتے تھے، جیسے انسان آگ سے بھاگتا ہے۔

موجودہ حالات میں مغربی طاقتوں کی کوشش یہ ہے کہ کسی طور اس طبقہ کی لگام کسی جائے، انہیں حق گوئی سے باز رکھا جائے، غلط تاویل اور جھوٹی توجیہ کے ذریعہ مغربی افکار اور لادینی تہذیب پر ان سے مہر لگوائی جائے، اور یہ پہلے بھی ہوتا رہا ہے، ہلاکو خان نے جب بغداد کو پوری طرح قابو میں کرلیا تو اس نے اس زمانے کے بعض نام نہاد ضمیر فروش علماء سے یہ فتوی صادر کرانے میں کامیابی حاصل کرلی کہ ''عادل کافر بادشاہ'' ظالم مسلمان بادشاہ سے بہتر ہے اور اس غلط فتوی کو اس نے اپنے لئے مہر تصدیق بنایا، مغرب نے اپنی اس سوچ کو روبہ عمل لانے کیلئے دو طریقہ کار اختیار کئے، ایک طریقہ ان ملکوں میں جہاں مسلمان حکمراں ہیں یا جہاں آمرانہ نظام ہے، وہاں ظلم اور دباو کا ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے اور حسبِ ضرورت کچھ ترغیب وتحریص کا، اِس وقت اس کی زندہ مثال عرب ممالک ہیں، خاص کر مصر، جہاں شیخ الازہر اور مفتی اعظم سے مغرب کے منشا کے مطابق بیانات دلوائے جاتے ہیں، جہاں مساجد سے ان ائمہ کو معزول کردیا گیا ہے، جو حقیقت میں اسلامی فکر کے ترجمان ہیں اور ایسے لوگوں کو اس اہم ذمہ داری پر فائز کیا گیا ہے، جن کو اس عہد کا ''منافق'' کہا جاسکتا ہے، ان سے کس طرح کا کام لیا جارہا ہے اور لیا جانے والا ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ وہاں ائمہ مساجد کیلئے جو تربیتی ورکشاپ رکھے جارہے ہیں، ان میں انہیں ترغیب دی جارہی ہے کہ وہ عوام کو بتائیں کہ اسرائیل ہمارا پڑوسی ہے اور پڑوسی کے بڑے حقوق ہوتے ہیں، چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم، اور چاہے اس کا سلوک اچھا ہو یا بُرا؛ اس لئے اسرائیل جو بھی کرے؛ لیکن ہمیں پڑوسی ہونے کی حیثیت سے اس کے ساتھ بہتر سلوک کرنا چاہئے۔ جو جمہوری ممالک ہیں، جہاں دستوری طور پر کسی کو اپنے ضمیر کے خلاف مجبور نہیں کیا جاسکتا، وہاں مال ومتاع اور عہدہ ومنصب کی لالچ دے کر زبان وقلم پر مہر لگانے کی کوشش کی جارہی ہے، ہندوستان دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک ہے اور یقیناً جمہوریت ایک نعمت ہے، نیز مسلم آبادی کے اعتبار سے دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے، اور اس ملک کی خصوصیت علماء ومشائخ، دینی جماعتوں، تحریکوں اور تنظیموں، نیز دینی تعلیمی اداروں کی کثرت ہے؛ اس لئے یہاں ایک طرف دباو کی پالیسی اختیار کی جارہی ہے، مدارس، ان کے طلبہ وفضلاء، دینی تحریکوں سے وابستہ نوجوانوں اور مذہبی شخصیتوں پر انتہا پسندی، بنیاد پرستی اور دہشت گردی کے الزامات لگائے جارہے ہیں اور دوسری طرف ان کے سامنے متاعِ مال وزر کی پیش کش بھی کی جارہی ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ حکومت ائمہ مساجد کو معقول تنخواہیں دے گی، مساجد حکومت کے یہاں اپنا رجسٹریشن کرالیں، کبھی مدارس کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ گورنمنٹ کے قائم کئے ہوئے بورڈ میں

شامل ہو جائیں، اس طرح اساتذہ کو اونچی تنخواہیں فراہم کی جائیں گی، کبھی حکومت کے غیر اہم مناصب دے کر تالیف قلب کی جاتی ہے، بہ حیثیت مجموعی ان تمام کوششوں کا بنیادی مقصد اس طبقہ کی زبان کو بند کرنا اور ان کی جد و جہد کو محدود کرنا ہے، جن کا بنیادی مشن اسلام کی اشاعت وحفاظت ہے اور یہ سب کچھ صرف حکومتِ ہند کا منصوبہ نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک عالمی منصوبہ ہے جس کے تانے بانے امریکہ اور اسرائیل میں بنے گئے ہیں۔ یہ حالات علماء ومشائخ، دینی مدارس وجامعات اور دینی جماعتوں سے وابستہ حضرات کیلئے لمحہ فکریہ ہیں کہ کیا ان کا مقصد زندگی صرف روٹی کے ٹکڑے حاصل کرنا ہے، جس طور پر بھی حاصل ہو جائیں، یا وہ اس سے اعلیٰ وارفع مقصد کیلئے کام کررہے ہیں، وہ انبیاء کے وارث ہیں، جو اجرت کیلئے نہیں، اجر کے لئے کام کرتے تھے، وہ اس کائنات میں خدائی مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں یا مادیت کے پرستار، یہ وقت ہے کہ علماء سر جوڑ کر بیٹھیں، اس مسئلہ پر غور کریں، اپنے سلف کے راستہ پر خود کو ثابت قدم رکھیں، دین کے فروغ کو اپنی متاع حیات بنانے کا عہد کریں اور اس بات کا عزم مصمم کریں کہ نہ فولاد وآہن کی طاقت اظہار حق کے معاملہ میں انہیں خوف زدہ کرسکے گی اور نہ سیم وزر کی لالچ انہیں اپنا اسیر بنا سکے گی کہ بہ حیثیت مسلمان ہمارا جینا اور مرنا سب اللہ کیلئے ہے۔ ❍❖❍

بقیہ: اب نسل کشی ختم کریں؛ روہنگیا بحران کے بارے میں ہم کیا جانتے ہیں؟

اگر آسیان تنظیم اپنی افسوس ناک خاموشی کو نہیں توڑتی تو مغربی ممالک کے برما کی معدنی دولت کو اینٹھنے کیلئے فاتحانہ داخلے اور امریکا اور چین کی مخاصمت سے صورت حال مزید پیچیدہ ہوسکتی ہے۔ آسیان کو فیصلہ کن اور پُرعزم حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے اور برما پر روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی رکوانے کیلئے دباؤ ڈالنا چاہیے۔

آنگ سان سوچی کی اخلاقی ناکامیوں کو منظر عام پر لایا جانا چاہیے اور انھیں برما کی سیاسی ہیئت حاکمہ میں ان کے عہدے کی وجہ سے صورت حال کا ذمے دار ٹھہرایا جانا چاہیے۔

جنوبی افریقا کے بشپ ڈیسمنڈ ٹوٹو نے آنگ سان سوچی کی سرد مہری پر سخت سرزنش کی ہے۔ ہم اپنے ملک میں نسل پرستی کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے والے اس شخص سے کم سے کم یہی توقع کرتے ہیں اور ان مشہور الفاظ پر اپنی بات ختم کرتے ہیں: ''اگر آپ ناانصافی کی صورت حال میں غیر جانبدار رہتے ہیں تو پھر آپ نے جابر کی طرف داری کا انتخاب کیا ہے''۔ ❍❖❍

اسبالِ ازاراور ہمارامعاشرہ

از: میرزاہد مکھیالوی، خادم تعلیمات جامعہ فلاح دارین اسلامیہ، بلاسپور

سیدالانبیاء سرور عالم ﷺ نے جس طرح حیاتِ انسانی کے مختلف شعبوں مثلاً اٹھنے، بیٹھنے، سونے جاگنے، کھانے پینے اور دیگر معمولاتِ زندگی کے متعلق آداب واحکام کی تعلیم دی ہے اور اپنے قول وعمل سے امت مسلمہ کی رہنمائی فرمائی ہے کہ یہ کام حلال ہے یہ حرام یہ ناجائز ہے یہ جائز ہے یہ کام اچھا ہے اور یہ برا ہے وغیرہ؛ اسی طرح لباس اور کپڑے کے استعمال کے بارے میں بھی واضح ہدایات دی ہیں، ہم یہاں لباس کی ایک خاص نوعیت ''اسبال ازار'' کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ مسلم معاشرہ میں خاص طور پر خواص کے طبقہ میں بھی اس سلسلہ کی کوتاہیاں فروغ پاتی جارہی ہیں اور افسوس مزید اس پر کہ اس کوتاہی پر خیال والتفات تک نہیں، اولاً اس مضمون کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں!

عن ابی هریره رضی الله عنه قال قال رسول اللّٰه ﷺ ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار. (بخاری: ۲/۸۶۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا ازقسم ازار یعنی پائجامہ وغیرہ کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

عن ابن عمر رضی الله عنه انّ النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال من جرّ ثوبه خُیَلاء لم ینظر اللّٰه الیه یوم القیٰمة. (بخاری: ۲/۸۶۰، ۲، مشکوٰۃ: ۳۷۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنا کپڑا استکبار اور فخر کے طور پر زیادہ نیچا کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر بھی نہ اٹھائے گا۔

عن ابی سعیدٍ الخدریّ رضی الله عنه قال سمعت رسول اللّٰه ﷺ یقول ازر المومن الیٰ انصافِ ساقیه لا جناح علیه فیما بینه وبین الکعبین وما اسفل من ذلک ففی النار قال ذلک ثلٰث مرّات ولا ینظر اللّٰه یوم القیامة الیٰ من جرّ ازاره بطرا. (ابوداؤد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ مومن بندہ کیلئے اِزار باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ نصف ساق اور ٹخنوں کے درمیان تک ہوتو یہ بھی گناہ نہیں یعنی جائز ہے اور جو اس سے نیچے ہوتو وہ جہنم میں ہے۔ اور آپ ﷺ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی کہ اللہ اس آدمی کی طرف نگاہ اٹھاکے بھی نہ دیکھے گا جو ازراہِ فخر وتکبر اپنی ازار گھسیٹ کر چلے گا۔

ان حدیثوں میں فخر وغرور والا لباس استعمال کرنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی کہ وہ قیامت کے اس دن میں جبکہ ہر بندہ اپنے رب کریم کی نگاہِ رحم وکرم کا سخت محتاج اور آرزومند ہوگا وہ اس کی نگاہِ رحمت سے محروم رہیں گے۔ اللہ رب العزت اس دن ان کو بالکل ہی نظر انداز کر دے گا اور ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔ کیا ٹھکانہ ہے اس محرومی اور بدبختی کا۔ **اللّٰهم احفظنا منه۔**

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کیلئے اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ تہبند اور اسی طرح پائجامہ نصف ساق تک ہو اور ٹخنوں کے اوپر تک ہو تو یہ بھی جائز ہے لیکن اس سے نیچے جائز نہیں بلکہ سخت گناہ ہے اور اس پر جہنم کی وعید ہے۔ (معارف الحدیث:۲)

اس وقت لباس کے متعلق اسلامی معاشرہ کی صورت حال زبوں تر ہے عوام الناس کے طبقہ میں دنیوی تعلیم وتہذیب سے متاثر طبقہ کا تو حال ہی عجیب وغریب ہو چکا ہے کہ ان کو لباس و پوشاک میں غیروں کے ساتھ ایسی مشابہت اور موانست پختہ ہو چکی ہے کہ مسلمان وغیر مسلمان کے مابین فرق وامتیاز مشکل بلکہ ناممکن معلوم ہوتا ہے اور اس مروجہ لباس شرٹ اور پینٹ کی وضع اور ہیئت ہی ایسی ہوتی ہے کہ اس کو پہننے والے کو ٹخنوں کا مستور ہونا ایک لازمی امر ہے، اگر چہ بعض دین سے وابستہ حضرات نماز وغیرہ کے دوران اس میں احتیاط کرتے نظر آتے ہیں لیکن اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جنہیں اس طرف توجہ نہیں رہتی بلکہ اس کے گناہ ہونے کا ادراک بھی نہیں ہوتا اور وہ اپنے معمول کے کپڑوں (نصف ہاتھ کہنیوں تک شرٹ اور ٹخنوں پر لٹکی پینٹ) میں نماز پڑھ لیتے ہیں، بہر حال اس مسئلہ سے قطع نظر کہ ان لوگوں کی نماز کا کیا حکم ہے یا ان کا عمل کس درجہ کا ہے؟ ہمیں یہاں ایک دوسرے موضوع پر عرض کرنا ہے۔ وہ یہ کہ مدارس اسلامیہ کے فضلاء اور مدارس میں زیرِ تعلیم طلبہ کو بھی عموماً اسبال ازار کے گناہ بے لذت میں دیکھا جاتا ہے، بلکہ بعض مدرسوں کے معلّمین اور اہل انتظام کا بھی اس میں ابتلا نظر آتا ہے کہ وہ نہ خود اس کمزوری اور کوتاہی پر متنبہ ہوتے اور نہ اپنے ماتحتوں اساتذہ اور طلبہ کی وضع قطع اور اصلاح و درستگی کی جانب دھیان دیتے اس طرح یہ سلسلہ متعدی ہوتا جا رہا ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے فرمودات وارشادات کسی خاص طبقہ کے لئے نہیں بلکہ ہر صاحب ایمان ان تعلیمات نبوی ﷺ کا براہِ راست مخاطب ہے، اور آپ ﷺ کے ذاتی معمول کو اپنے عمل میں لانا ہر مسلمان کی دینی محبت کا عین تقاضا بھی ہے اور خوش نصیبی کا سامان بھی،

اللہ رب العزت ہمیں توفیق عمل سے نوازے اور ہم لوگوں کے مردہ احساس کو بیدار فرمائے، مدارس اسلامیہ کو یقیناً دینی مرکزیت اور معتبریت حاصل ہے اور ان کے ارباب حل وعقد اور مدرسین و متعلّمین کو عام مسلمان بھی ایک نمونہ اور آئیڈیل کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ لہٰذا ہم اہل مدارس کو دینی تمام امور میں بہت محتاط اور حساس رہنے کی ضرورت ہے۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آدمی کے اندر آدمیت، دینی رنگ ومزاج، شرعی اُمور میں پختگی و مضبوطی اور عظمتِ دین کسی صاحب دل بزرگ عالم دین سے وابستگی و تعلق اور ان کی مومنانہ نظر سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

ابتدائی فارسی کے شعبہ میں راقم الحروف جب حضرت مفتی مہربان علی شاہ بڑوتی قدس سرہ کے مدرسہ ہرسولی میں داخل ہوا تو حضرتؒ کی سب سے اوّل زیارت وملاقات تھی اس وقت سے عمر کے نہائی دور تک انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں حضرتؒ کو پختگی اور تصلب کے ساتھ ہمیشہ متبع سنت پایا۔ وہ اپنے خوردوں اور ماتحتوں کی صرف قولی طور پر نہیں بلکہ عملی طریقہ سے بھی اصلاح فرماتے، چنانچہ احقر نے ان کا پائجامہ کبھی اتفاقیہ بھی نصف ساق سے نیچے نہیں دیکھا، ایک دفعہ اصلاحی مجلس میں اسبال ازار کے متعلق گفتگو میں حضرتؒ نے سنایا کہ ایک بار کسی صاحب کی موٹر سائیکل کے ذریعہ ''شاہ پور'' سے ''ہرسولی'' کیلئے چلا، راستہ میں ''کاکڑہ'' جو خالصتاً غیر مسلموں کی بستی ہے وہاں ہماری موٹر سائیکل خراب ہوگئی وہ صاحب اس کو دیکھنے لگے، میں راستہ کے کنارہ کھڑا ہوگیا ایک غیر مسلم بڑے میاں آہستہ سے میرے قریب آئے اور دبی آواز میں کہنے لگے کہ اجی اگر برا نہ مانو تو ایک بات معلوم کرلوں؟ یہ اپنا پاجامہ آپ نے اتنا اوپر کیوں چڑھایا ہوا ہے کیا بات ہے؟ وہ چونکہ غیر مسلم تھے انہیں کیا خبر شریعت وسنت کی۔ میں نے ان کی سمجھ کے حساب سے انہیں جواب دیا کہ زیادہ نیچے رکھنے سے کپڑے گندے ہوجاتے ہیں ان کپڑوں میں نماز بھی پڑھنا ہوتا ہے۔ یہ بات ان کی سمجھ میں آگئی۔ اپنی یہ آپ بیتی سنا کر حضرتؒ نے فرمایا: آدمی میں جب پختگی اور مضبوطی ہوتی ہے تو اس کیلئے کوئی چیز بھی رکاوٹ نہیں بنتی یہ اپنے اندر کا روگ ہوتا ہے کہ آدمی سمجھتا ہے کہ لوگ میرا لباس دیکھ کر کیا کہیں گے؟ کبھی میرا مذاق بنالیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انسان اپنے کسی بھی معاملہ میں سچا اور مخلص ہوتا ہے تو کوئی اسے کچھ نہیں کہتا بلکہ سنجیدہ لوگ اسے قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حضرت بڑوتیؒ کے ایک مرشد ومرید کا واقعہ ہے ایک دفعہ وہ اہل بدعت کے ایک خطہ میں پہنچے مسجد کی منتظمہ کمیٹی نے ان کا رمضان میں قرآن کریم سنانا طے کر دیا، ان مرید مولانا صاحب کو جب مصلیان مسجد نے دیکھا تو ان کا لباس خاص طور پر پائجامہ دیکھ کر قرآن کریم سنانے سے منع کر دیا کہ ان کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوگی ان کے اونچے پائجامہ سے یہ دیوبندی معلوم ہوتے ہیں۔ غرض انھوں نے بریلویت کے ماحول میں اپنے لباس میں نہ کوئی تبدیلی کی نہ مرعوب ہوئے بلکہ اپنی وضع پر برقرار رہے، یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے ان کے وہاں کے قیام کو باعث اصلاح بنایا۔

بہر کیف مدارس کے بعض نو فارغ فضلاء میں یہ بھی ایک المیہ ہے کہ وہ درس نظامی سے فراغت کر کے خود کو ہر چیز سے فارغ سمجھ لیتے ہیں اپنے کسی مربی و مصلح سے نہ وابستگی ہوتی نہ اپنی اصلاح وتربیت کا کبھی خیال آتا اور بغیر کسی تدریب وتمرین وتدریسی سلسلہ یا دیگر شغل میں مصروف ہوجاتے ہیں جس کا ایک مضر پہلو یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ دینی رنگ چونکہ پختہ نہیں ہوتا لہٰذا وہ ماحول کے مطابق اپنے کو ڈھال لیتے ہیں اور اس میں اس حد تک تجاوز ہوجاتا ہے کہ صرف ظاہری وضع قطع ڈاڑھی اور لباس ہی نہیں بدلتے بلکہ عقائد ونظریات اور سوچ وفکر تک ان فضلاء کی متاثر ومغلوب ہوتے دیکھا گیا ہے کہ جنھوں نے ایک مدت اپنے اساتذہ کی صحبت اور مدرسہ کی چہار دیواری میں گذاری ہے وہ اس فانی دنیا کی خاطر اپنے اکابر کا مسلک ومشرب تبدیل کرنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے اور بلا جھجک غیروں کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے اس کی اصلی وجہ تربیت نہ ہونا ہے۔

الحاصل ہماری ان معروضات کا مقصد یہی ہے کہ طلبہ کی ظاہری وضع قطع کو قطعاً نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ بطور خاص اہل مدارس کو اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ داخل شدہ طلبہ کی صرف بوقت داخلہ ہی نہیں بلکہ سال کے دوران بھی ماہ بماہ نگرانی کی جائے۔ اللّٰهم وفقنا لما تحب و ترضىٰ۔

داڑھی کا وجوب

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ

عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاعفَاءُ للّحِيةِالحَدِيْث. (رَوَاہُ اَبُوْدَاود)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دس چیزیں فطرت میں سے ہیں۔ جن میں مونچھوں کا کٹوانا اور داڑھی کا بڑھانا ذکر فرمایا ہے۔

فائدہ: بذل المجھود میں لکھا ہے کہ فطرت کے معنی سنن انبیاء ہیں یعنی یہ دس چیزیں جن میں مونچھوں کا کٹوانا اور داڑھی کا بڑھانا بھی ہے جملہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی سنتوں سے ہیں جن کی اقتداء کا ہمیں حکم دیا گیا ہے (یہ اشارہ ہے قرآن پاک کی آیت شریفہ: اُولٰئِکَ الَّذِيْنَ هُدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقتَدِہ کی طرف) یہ آیت شریفہ ساتویں پارہ کی ہے۔

جس میں اوپر سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسمائے گرامی ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو ارشاد فرمایا ہے کہ یہ حضرات ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی ان ہی کے طریقہ پر چلئے۔ (بیان القرآن)

بذل میں لکھا ہے کہ فطرت کے یہ معنی اکثر علماء سے نقل کیے گئے ہیں۔ اور بعض نے فطرت کے معنی سنتِ ابراہیمی بیان کیے ہیں۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت اور بعض علماء نے فطرت کے معنی یہ کیے ہیں کہ طبائع سلیمہ ان کو طبعاً قبول کرتی ہیں۔ یعنی جو طبیعتیں ٹیڑھی نہ ہوں ان کو یہ سب چیزیں پسند ہیں۔ اور مراد فطرت سے دین ہے جس کی طرف قرآن پاک کی دوسری آیت: ''فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ''میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا وہ دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے اوّل انسان کیلئے پسند فرمایا ہے۔ اور یہ دس چیزیں بھی دین کے توابع میں سے ہیں۔

بذل کے اس قول میں جس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ قرآن پاک کی دوسری آیت ہے جو اکیسویں پارہ میں ہے۔ ''فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لاتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لايَعْلَمُوْنَ'' اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے

لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہیے۔ پس سیدھا دین یہی ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (بیان القرآن)

شیطان مردود جب وہ رندۂ درگاہ ہوا تھا تو کہا تھا: ''وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا'' اور میں ان کو گمراہ کروں گا، اور ان کو ہوسیں دلاؤں گا اور میں ان کو تعلیم دوں گا۔ جس سے چار پاؤں کے کانوں کو تراشا کریں گے اور میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنا دے گا وہ صریح نقصان میں واقع ہوگا۔'' (بیان القرآن)

حضرت تھانویؒ نے فوائد میں تحریر فرمایا ہے کہ: ''وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰه'' میں ڈاڑھی منڈانا بھی داخل ہے۔ اور بھی متعدد روایات میں ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم ہے۔ رسالہ **حکم اللحیه فی الاسلام** میں صحیح ابن حبان کے حوالہ سے یہی روایت حضرت ابو ہریرہؓ حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد نقل کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

''قَالَ رَسُوْلُ ﷺ مِنْ فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ اَخْذُ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللّحٰى فَاِنَّ الْمَجُوْسَ تُعْفِىْ شَوَارِبَهَا وَتُحْفِى لُحَافَخَالِفُوهُمْ خُذُوا شَوَارِبَكُمْ وَاعْفُوْا لُحَاكُمْ'' حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسلام کی فطرت سے مونچھوں کا لینا (کٹوانا) ہے، اور ڈاڑھی کا بڑھانا ہے۔ اس لیے کہ مجوسی لوگ اپنی مونچھوں کو بڑھاتے ہیں اور ڈاڑھی کو کٹواتے ہیں۔ لہٰذا ان کی مخالفت کرو، مونچھوں کو کٹوایا کرو اور ڈاڑھی کو بڑھایا کرو۔

فائدہ: اس حدیثِ پاک میں حضور پاک ﷺ نے ڈاڑھی رکھنے کو اسلام کی فطرت (خصلت و مقتضی) قرار دیا ہے۔ اور ڈاڑھی کٹانے کو مجوس کا شعار فرمایا ہے۔ نیز: ''مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ'' مشہور حدیث ہے۔ یعنی جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ان ہی میں شمار ہوتا ہے۔ اسی بناء پر حضور پاک ﷺ حدیثِ بالا میں مخالفت مجوس کا حکم دیا ہے۔

پس اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ ڈاڑھی رکھنا ایک شرعی حکم ہے۔ اور اس میں تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی موافقت ہے، لہٰذا جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عرب میں چونکہ ڈاڑھی رکھنے کا دستور تھا اس لیے آپ نے عادت کے طور پر اس کا حکم فرمایا ہے، یہ خیال بالکل غلط اور بے اصل ہے، حق تعالیٰ شانہ

اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات پر عمل اور وعیدات سے بچنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مشرکین کی مخالفت کرو۔ ڈاڑھیوں کو بڑھایا کرو۔ اور مونچھوں کے کٹوانے میں مبالغہ کرو۔ اور بھی متعدد احادیث میں یہ مضمون کثرت سے نقل کیا گیا ہے کہ مشرکین کی مخالفت کرو ڈاڑھی کو بڑھایا کرو۔ اور مونچھوں کے کٹوانے میں مبالغہ کیا کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ڈاڑھی بڑھاؤ، مونچھوں کو کٹواؤ، اور اس میں یہود، اور نصاریٰ کی مشابہت اختیار نہ کرو۔

افسوس ہے کہ ہمارے اس زمانے میں نصاریٰ ہی کے اتباع اور ان کی مشابہت اختیار کرنے کیلئے حضور پاک ﷺ اور جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس مبارک سنت کو ختم کیا جا رہا ہے اس ناکارہ کو خوب یاد ہے کہ میرے بچپن میں ہندوؤں میں بھی جو بڑے لوگ ہوتے تھے وہ ڈاڑھی رکھا کرتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت نقل کی ہے کہ ایک مجوسی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس نے ڈاڑھی منڈا رکھی تھی، اور مونچھیں بڑھا رکھی تھی تو حضور اقدس ﷺ نے اس سے فرمایا کہ یہ کیا بنا رکھا ہے۔ اس نے کہا یہ ہمارا دین ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے دین میں یہ ہے کہ مونچھوں کو کٹوا دیں اور ڈاڑھی کو بڑھائیں (حکم اللحیہ فی الاسلام) ابن عساکر وغیرہ نے حضرت حسن سے مرسلاً حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد نقل کیا ہے کہ دس خصلتیں ایسی ہیں جو قوم لوط میں تھیں جن کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے۔ ان دس چیزوں میں ڈاڑھی کا کٹوانا اور مونچھوں کا بڑھانا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ حارث بن ابی اسامہ نے یحییٰ بن کثیر سے مرسلاً نقل کیا ہے کہ ایک عجمی (کافر) مسجد میں آیا۔ جس نے ڈاڑھی منڈا رکھی تھی اور مونچھیں بڑھا رکھی تھیں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایسا کرنے پر تجھے کس چیز نے اُبھارا تو اس نے کہا کہ میرے رب (بادشاہ) نے یہ حکم دیا ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ڈاڑھی کو بڑھاؤں اور مونچھوں کو کٹواؤں، ایک دوسری روایت میں زید بن حبیب سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ڈاڑھی منڈائے ہوئے دو شخصوں کی طرف جو شاہ کسریٰ کی طرف سے قاصد بن کر آئے تھے ان کی طرف نگاہ فرمانا بھی گوارہ نہ فرمایا،

اور فرمایا کہ تمہیں ہلاکت ہو، یہ حلیہ بنانے کو کس نے کہا۔ انھوں نے کہا ہمارے رب نے (شاہ کسریٰ نے) حکم دیا ہے۔ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: لیکن مجھے میرے رب نے ڈاڑھی کے بڑھانے اور مونچھوں کے کٹوانے کا حکم دیا ہے۔ (حکم اللحیہ) مرنے کے بعد قبر میں سب سے پہلے سیّد الکونین ﷺ کی زیارت ہوگی۔ کس قدر حسرت اور مایوسی کا وقت ہوگا اگر خدانخواستہ اس ذاتِ اقدس نے جس سے سفارشوں کی اُمیدیں ہیں پہلے ہی مرحلہ میں ایسے خلافِ سنت چہرے اور صورت کو دیکھ کر منہ پھیر لیا؟

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمْ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ ﷺ قَالَ مَنْ لَمْ يَأخُذْ شَارِبَه فَلَيْسَ مِنَّا اَخْرَجَه اَحْمَدُ وَالتِرْمِذِىُ وَالنَّسَائِىُ وَالضِيَاءُ. (حکم اللحیۃ فی الاسلام)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص مونچھیں نہ کٹوائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

فائدہ: کس قدر سخت وعید ہے لمبی لمبی مونچھوں والے اپنے آپ کو شریف سمجھیں اور سرکاری کاغذات میں اپنے کو مسلمان بھی لکھوا دیں؛ مگر سیّد الکونین ﷺ ان لوگوں کو اپنی جماعت میں شمار کرنے سے انکار فرما رہے ہیں۔ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے بھی حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو اپنی مونچھوں کو نہ کاٹے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

طبع سلیم بھی مونچھوں کے بڑھانے سے کراہت کرتی ہے، پانی، چائے وغیرہ پینے کی جتنی بھی چیزیں منہ میں جائیں گی وہ مونچھوں کے دھووَن کے ساتھ جائیں گی۔ اگر کوئی شخص مونچھوں کو دھوکر پیالی میں رکھ لے اور اس کو پی لے تو کس قدر گھن آوے گی۔ لیکن پانی اور ہر پینے کی چیز کا ہر گھونٹ اس دھووَن کے ساتھ اندر جارہا ہے مگر ذرا بھی گھن نہیں آتی۔

امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب الزہد میں عقیل بن مدرک سلمی سے نقل کیا ہے کہ اللہ جل شانہ نے بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی قوم سے کہہ دو کہ وہ میرے دشمنوں کا کھانا (یعنی جوان کے ساتھ مخصوص ہو جیسے نصاریٰ کا کھانا سور) نہ کھاویں، اور میرے دشمنوں کا پانی نہ پئیں (جیسے شراب) اور میرے دشمنوں کی شکل نہ بنائیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ بھی میرے دشمن ہوں گے جیسا کہ وہ لوگ حقیقی میرے دشمن ہیں۔ (دلائل الاثر)

یہاں ایک امر نہایت اہم اور قابل تنبیہ یہ ہے کہ بہت سے حضرات ایسے ہیں کہ جو ڈاڑھی منڈانے کو تو

معیوب سمجھتے ہیں اور اس سے بچتے بھی ہیں۔ لیکن ڈاڑھی کے کم کرنے اور کتروانے کو معیوب نہیں سمجھتے حالانکہ شریعتِ مطہرہ میں جس طرح ڈاڑھی رکھنے کا حکم ہے، اسی طرح اس کی ایک مقدار بھی متعین ہے۔

چنانچہ اس سے کم کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے اور وہ مقدار ایک قبضہ (مٹھی) ہے اس سے کم رکھنا بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک ناجائز اور حرام ہے گو اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر ایک قبضہ پر بڑھ جائے تو اس کو کم کرنا چاہیے یا نہیں۔

حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ اپنے رسالہ ڈاڑھی کے فلسفہ میں جو ایک صاحب کے خط کے جواب میں لکھا گیا تھا تحریر فرماتے ہیں: حضور اقدس ﷺ ڈاڑھی کے طول اور عرض میں سے کترا کرتے تھے، اس لیے اس کی حد معلوم کرنی ضروری سمجھی گئی۔ چونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اقوال وافعال کا مشاہدہ کرنے والے ہیں۔

اس لیے ان کے عمل کو اس بارے میں امام بخاریؒ نے ترازو بنایا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے بڑے فدائی ہیں اور آپ ﷺ کی سنتوں کی پیروی میں نہایت زیادہ پیش پیش رہنے والے ہیں ان کے عمل کو بطور معیار پیش کیا ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا إِذَا حَجَّ اَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَمَا فَضَلَ اَخَذَهٗ.	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں لے کر ایک مشت سے زائد کو کتروا دیتے تھے۔

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا عرض وطول میں ڈاڑھی کا کترنا اس مقدار اور کیفیت سے ہوتا تھا۔ علاوہ ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایسا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ شرح بخاری میں طبری سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ ایک جماعت کہتی ہے کہ ڈاڑھی جب ایک مشت سے زائد ہو جائے تو زائد کو کتر دیا جائے۔

پھر طبری نے اپنی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ انھوں نے ایک شخص کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ اِسی عمل اور طریق کو فقہاء حنفیہ وشافعیہ وغیرہ نے کتبِ فقہ وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ابوداؤد شریف میں ہے۔ ○❖○

اسلام میں گود لینے کا مسئلہ

از: مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

اسلام میں نکاح، طلاق اور وراثت کے قوانین پر نظر ڈالی جائے تو اس کیلئے اس کے اپنے مستقل ضابطے اور اس کی اپنی حدود ہیں، مثلاً نکاح کن لوگوں سے کن رشتوں میں ہوسکتا ہے، کن میں نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح طلاق کا معاملہ ہے کہ طلاق کے بعد عورت کس سے نکاح کر سکتی ہے، کس سے نہیں۔ اسی طرح اسلام میں وراثت کا قانون خون کے حقیقی رشتوں کی بنیاد پر حصے مقرر کرتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اسلامی معاشرت کا ایک اخلاقی معیار ہے۔ جن رشتوں میں یہ ضروری ہے کہ عورت اور مرد، لڑکا اور لڑکی ایک ساتھ رہیں، ایک ساتھ پلیں بڑھیں، ایک ساتھ زندگی گذاریں۔ ان رشتوں میں اسلام نے ایسا ذہنی تقدس پیدا کر دیا ہے کہ کسی بُرے خیال کا ان کے درمیان گذر نہ ہو سکے، مثلاً بہن کا رشتہ، باپ بیٹی کا رشتہ، ماں اور اولاد کا رشتہ؛ تا کہ ان رشتوں میں خلا ملا ہونے کے باوجود کوئی غلط نتیجہ سامنے نہ آسکے۔ منہ بولے رشتے میں خواہ کتنا ہی تقدس پیدا کر دیا جائے، مصنوعی رشتوں کے رسمی تقدس پر بھروسہ کر کے اسلامی معاشرے کو گدلا نہیں کیا جا سکتا۔

عرب کا دستور

اسلام سے پہلے عرب کا دستور یہ تھا کہ یہ لوگ جس بچے کو گود لے کر متبنّیٰ بنا لیتے تھے اس کو حقیقی اولاد کی طرح سمجھتے تھے، اسے وراثت ملتی تھی، منہ بولی ماں اور منہ بولی بہنیں اس سے وہی خلا ملا رکھتی تھیں جو حقیقی بیٹے اور بھائی سے رکھا جاتا ہے۔

منہ بولے باپ کی بیٹیوں کا اور اس کے مرجانے کے بعد اس کی بیوہ کا نکاح اسی طرح ناجائز سمجھا جاتا تھا، جس طرح سگی بہن اور حقیقی ماں کے ساتھ کسی کا نکاح حرام ہوتا ہے۔ اور یہی معاملہ اس صورت میں بھی کیا جاتا تھا جب منہ بولا بیٹا مرجائے یا اپنی بیوی کو طلاق دیدے منہ بولے باپ کیلئے وہ عورت سگی بہو کی طرح ہوتی تھی۔

حضرت محمد ﷺ کے منہ بولے بیٹے زید رضی اللہ عنہ

حضرت محمد ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا تو حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی خدمت کیلئے ایک

پندرہ سالہ غلام زید بن حارثہ کو پیش کیا۔ زید یمن کے قبیلے بنوقضاعہ کے سردار حارثہ بن شراحیل کے لخت جگر تھے، آٹھ سال کی عمر میں ڈاکوؤں کے ہاتھ لگ گئے تھے۔ زید کی والدہ سُعدیٰ بنت ثعلبہ قبیلہ طے کی شاخ بنی مَعن سے تھیں۔ یہ اپنی والدہ کے ساتھ نانیہال گئے، وہاں سفر میں ان کے پڑاؤ پر قین بن جسر کے لوگوں نے حملہ کیا، پکڑے جانے والوں میں نوعمر زید بھی تھے، ان لوگوں نے طائف کے قریب عُکاظ کے قبیلے میں ان کو بیچ دیا۔ خریدار تھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزامہ۔ انھوں نے زید کو اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نظر کر دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد حضور ﷺ نے زید کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے یہاں دیکھا اور ان کی عادات واطوار آپ ﷺ کو پسند آئیں، تو آپ ﷺ نے ان کو حضرت خدیجہؓ سے مانگ لیا اور حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

کافی دنوں کے بعد زید کے گھر والوں کو پتہ لگا کہ زید مکے میں ہیں، تو ان کے والد حارثہ بن شراحیل اور ان کے ساتھ زید کے چچا تلاش کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو فدیہ چاہیں ہم دینے کو تیار ہیں، ہمارا بچہ آپ ہمیں دے دیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں لڑکے کو بلاتا ہوں اور اس کی مرضی پر چھوڑے رہتا ہوں اگر وہ آپ کے پاس جانا چاہے گا تو میں کوئی فدیہ نہ لوں گا اور آپ کا بچہ آپ کے حوالے کر دوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو بلایا اور ان سے کہا: ان دونوں صاحبوں کو جانتے ہو؟

انھوں نے عرض کیا: جی ہاں! یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لوگ تمہیں لینے آئے ہیں، اگر تم جانا چاہو تو ان کے ساتھ جا سکتے ہو، میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ زید نے چھوٹتے ہی جواب دیا: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔

والد اور چچا حیران ہو گئے اور کہا: زید کیا تو آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتا ہے، اور اپنے ماں باپ اور خاندان کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا چاہتا ہے؟

زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں نے ان میں جو اوصاف دیکھے ہیں، اس کے بعد میں دنیا میں کسی کو بھی ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ زیدؓ کا یہ جواب سن کر باپ اور چچا بہ خوشی راضی ہو گئے کہ زید کو حضور ﷺ کے پاس رہنے دیں۔

جب وہ مایوس ہو کر لوٹنے لگے تو حضور ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین کو حرم میں لے جا کر قریش

کے عام مجمع میں اعلان فرمایا کہ: میں زید کو آزاد کرتا ہوں آپ سب لوگ گواہ رہیں کہ آج سے زید میرا بیٹا ہے، یہ مجھ سے وراثت پائے گا اور میں اس سے۔

اسی بناء پر لوگ ان کو زید بن محمد (ﷺ) کہنے لگے ..... یہ سب واقعات نبوت سے پہلے کے ہیں۔

حضرت محمد ﷺ منصب نبوت پر

حضرت محمد ﷺ منصب نبوت پر سرفراز ہوئے تو چار ہستیاں ایسی تھیں، جنھوں نے کسی تردد کے بغیر آپ ﷺ کا دعویٰ نبوت سنتے ہی آپ ﷺ کو اللہ کا سچا رسول تسلیم کرلیا۔ایک حضرت خدیجہؓ، دوسرے حضرت زیدؓ، تیسرے حضرت علیؓ اور چوتھے حضرت ابوبکرؓ۔ اس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ کی عمر تیس سال تھی اور ان کو حضور کی خدمت میں رہتے ہوئے پندرہ سال گزر چکے تھے۔

ہجرت مدینہ کے بعد ۴ ہجری میں نبی ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کیلئے حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت زینبؓ حضور ﷺ کی پھوپھی اُمیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت زینبؓ اوران کے رشتہ داروں نے اس رشتے کو نامنظور کردیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور ﷺ نے پیغام دیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ نَسَباً'' (میں اس سے نسب میں بہتر ہوں)۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت زینبؓ نے جواب میں یہ بھی کہا تھا کہ: ''لاَ اَرْضَاهُ لِنَفْسِیْ وَاَنَا اَیِّمُ قُرَیْشٍ'' (میں اسے اپنے لیے پسند نہیں کرتی، میں قریش کی شریف زادی ہوں)۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، ان لوگوں کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ اتنے اونچے گھرانے کی لڑکی اور وہ بھی کوئی غیر نہیں؛ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی پھوپی زاد بہن اور اس کا پیغام آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آزاد کردہ غلام کیلئے دے رہے ہیں۔

مگر اسلام غلام اور آزاد کو ایک صف میں کھڑا کرنا چاہتا تھا، اس پر قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی کہ:

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلاَ مُؤمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ، وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلاَلاً مُّبِیْنًا۝ (احزاب:۳۶)

کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کردے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔

اللہ کے اس حکم کو سنتے ہی حضرت زینبؓ اور ان کے سب خاندان والوں نے بلا تامل سر اطاعت خم کر دیا۔ اس کے بعد نبی نے ان کا نکاح پڑھایا اور خود حضرت زیدؓ کی طرف سے دس دینار اور ساٹھ درہم مہر ادا کیا اور گھر بسانے کیلئے ان کو ضروری سامان عنایت فرمایا۔

حضرت زینبؓ نے اگر چہ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا حکم مان کر زیدؓ کے نکاح میں جانا قبول کر لیا تھا؛ لیکن وہ اپنے دل سے اس احساس کو کسی طرح نہ مٹا سکیں کہ زیدؓ ایک آزاد کردہ غلام ہیں، ان کے اپنے خاندان کے پروردہ ہیں۔ اس احساس کی وجہ سے زیدؓ سے ان کے ازدواجی تعلقات کبھی خوشگوار نہ ہو سکے۔ ایک سال سے کچھ ہی زیادہ مدت گذری تھی کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔

اسلامی قانون-قدم بہ قدم

اسلام کا طریقہ ہے کہ: وہ جلد بازی میں کوئی قانونی آرڈی نینس جاری نہیں کرتا؛ بلکہ پہلے ذہن وفکر کو آمادہ کرتا ہے اور زمین کی تیاری کے بعد ہی تخم ریزی کرتا ہے۔

پہلا کام خود رسول اللہ ﷺ کے گھر سے شروع ہوا کہ بچوں کو ان کے حقیقی باپوں کے نام سے پکارا جائے، خود آپ ﷺ کے منھ بولے فرزند کو زیدؓ بن محمد سے زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ قرآن مجید میں ہے: **''اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ''** (الاحزاب:۵) منھ بولے بیٹوں کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو! یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔

بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: **''مَنْ اَدْعَىٰ اِلٰى غَيْرِ اَبِيْه وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ غَيْرُ اَبِيْه فَالْجَنَّةُ عَلَيْه حَرَامٌ''** ''جس نے اپنے آپ کو باپ کے سوا کسی اور کا بیٹا کہا دراں حالیکہ وہ جانتا ہو کہ وہ شخص اس کا باپ نہیں ہے اس پر جنت حرام ہے۔''

اس مصنوعی نسبت کو بول چال میں بھی ختم کر دینے سے ذہن بدلنے لگے۔ اس بات کی تشریح کر دی گئی کہ کسی کو پیار سے یا اخلاقاً بیٹا کہہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ لیکن اس کو باقاعدہ بیٹا بنا لینا اور مصنوعی رشتے کو حقیقی رشتے کی جگہ دینا غلط ہے۔ بیٹوں یا بیٹیوں جیسا حسنِ سلوک کرنا اور قانونی طور پر اس کو حقیقی رشتے کی جگہ دینا اس میں فرق ہے۔

قرآن مجید میں ہے: **''وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَا اَخْطَاتُمْ بِه وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ،**

وَكَانَ اللهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمَا ''(الاحزاب:۵) نادانستہ جو بات تم کہو اس کے لیے تم پر کوئی گرفت نہیں ہے؛ لیکن اس بات پر ضرور گرفت ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو، اللہ درگذر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس طرح ہلکی سی ضرب اس رسم پر لگادی گئی اور ذہنوں کو تیار کر دیا گیا۔ اب اس کو جڑ سے اکھاڑنے کی عملی ابتدا خود رسول اللہ ﷺ سے کرائی گئی۔

رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ رسمِ جاہلیت کا خاتمہ

اسی زمانے میں جب حضرت زیدؓ اور زینبؓ کے درمیان تلخی بڑھتی چلی جارہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ کو اشارہ ہو چکا تھا کہ زیدؓ جب اپنی بیوی کو طلاق دے دیں تو ان کی مطلقہ بیوی سے آپ کو نکاح کرنا ہوگا۔ حضور ﷺ جانتے تھے کہ عرب کی سوسائٹی میں منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

ایک مشکل کام اور رسول اللہ ﷺ سماج کے نشانے پر

اسلام کے خلاف ہنگامہ اٹھانے کیلئے منافقین اور یہود و مشرکین کو جو پہلے ہی بپھرے بیٹھے ہیں ایک زبردست شوشہ ہاتھ آجائے گا۔ اس نام پر جب حضرت زیدؓ نے بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ: اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ آپ کا منشا یہ تھا کہ یہ شخص طلاق نہ دے تو مجھے نکاح کی نوبت نہیں آئے گی، ورنہ اس کے طلاق دینے کی صورت میں مجھے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی اور مجھ پر وہ کیچڑ اچھالی جائے گی کہ پناہ بہ خدا؛ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو اولوالعزمی کے اعلیٰ مرتبے پر دیکھنا چاہتا تھا اور ایک بڑی مصلحت کی خاطر آپ سے یہ کام لینا چاہتا تھا۔ قرآن مجید میں ہے: ''وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ، وَاتَّقِ اللهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ''(الاحزاب:۳۷) اے نبی! یاد کرو وہ مواقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑو اور اللہ سے ڈرو۔ اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ کھولنا چاہتا تھا۔ تم لوگوں سے ڈر رہے تھے؛ حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

آخر نوبت طلاق تک آگئی اور عدت پوری ہونے کے بعد نبی ﷺ نے اللہ کے حکم سے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا، لوگ منہ بولے رشتوں کے معاملے میں محض جذباتی بنیادوں پر جس قسم کے نازک اور گہرے

تصورات رکھتے تھے وہ اس وقت تک ہرگز نہ مٹ سکتے تھے جب تک آپ خود آگے بڑھ کر اس رسم کو نہ توڑ دیں۔قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا، وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۝ (احزاب:۳۷)

جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکے تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا نکاح تم سے کر دیا؛ تاکہ مومنوں پر اپنے منھ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے؛ جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں، اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے تھا۔

کہنے والوں کا کہنا یہ تھا کہ: اچھا، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ منھ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح جائز قرار دیا گیا ہے، یہ صرف جائز ہے، ضروری تو نہیں، پھر ایسا کرنا ضروری کیوں تھا؟ اس کا جواب قرآن مجید میں دیا گیا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ، وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۝ (احزاب:۴۰)

(لوگو!) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النّبیین ہیں۔

ایک تو یہ کہ ان کے کوئی بیٹا نہیں ہے اس لیے ان کی بہو کہاں ہوئی؟ دوسرے یہ کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اس حیثیت سے ان کی ذمہ داری ہے کہ جس حلال چیز کو تمہاری رسموں نے خوامخواہ حرام کر رکھا ہے اس کے بارے میں تمام تعصّبات کا خاتمہ کر دیں اور اس کے حلال ہونے کے بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہنے دیں۔ تیسرے یہ کہ وہ خاتم النّبیین ہیں، ان کے بعد نہ کوئی رسول آنے والا ہے اور نہ کوئی نبی کہ اگر قانون اور معاشرے کی کوئی اصلاح ان کے زمانے میں نافذ ہونے سے رہ جائے تو بعد کا آنے والا نبی یہ کسر پوری کر دے۔ اس طرح جاہلیت کے اس بت کو ایک کاری ضرب سے توڑ کر رکھ دیا گیا۔

قرآن وحدیث اور اسوۂ رسول ﷺ سے معلوم ہوا کہ اسلام میں متبنّیٰ بنانا، گود لینا اور دوسرے کے بچے کو گود لے کر اس کے ساتھ حقیقی اولاد کا معاملہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا، اور قیامت تک یہ رسم ختم ہو چکی ہے۔

گود لینا اکثر بے اولاد والدین کی اپنی خواہش ہوتی ہے یا پھر وہ لوگ گود لیتے ہیں، جن کے کوئی نرینہ اولاد نہیں ہوتی، اولاد ہونا نہ ہونا یا لڑکے کا نہ ہونا یہ سب اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔ دنیا میں انسان کی ساری خواہشیں نہ پوری ہو سکتی ہیں، نہ ہو سکیں گی۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور گود لینا بہت سے اخلاقی، معاشرتی اور نفسیاتی مسائل پیدا کرتا ہے؛ اس لیے اسلام نے اس رسم کا دروازہ پورے طور پر بند کر دیا ہے۔ ❍❖❍

اب نسل کشی ختم کریں!

روہنگیا بحران کے بارے میں ہم کیا جانتے ہیں؟

رَمزی بارود (العربیہ نیٹ)

’’فوج میرے باپ کو گاؤں کے تمام مردوں سمیت ساتھ لے گئی، پھر انھوں نے ہمارے مکان کو آگ لگا دی، میری ماں اس وقت گھر کے اندر ہی موجود تھی۔ وہ زندہ جل مری‘‘۔

یہ میانمار (برما) کی مغربی ریاست راکھین (اراکان) سے تعلق رکھنے والے ایک تیرہ سالہ بچے محمد جکاریا کے مختصر بیان کا ایک حصہ ہے۔ اب محمد اور ہزاروں روہنگیا مہاجرین بچے بنگلہ دیش کے جنوب میں واقع تیکناف میں مہاجر کیمپوں میں رہ رہے ہیں۔ ان غلاظت زدہ کیمپوں میں گنجائش سے کہیں زیادہ روہنگیا مہاجرین کو ٹھونس دیا گیا ہے۔

برما میں روہنگیا مسلمانوں کے خلاف نئی تشدد آمیز کارروائیوں کے آغاز کے بعد سے ہزاروں مہاجرین جانیں بچا کر دشوار گزار سرحدی راستوں سے گذر کر بنگلہ دیش کے علاقے میں پہنچ چکے ہیں۔

اگست کے بعد سے ہزاروں روہنگیا مسلمان مبینہ طور پر مارے جا چکے ہیں، مزید ہزاروں لاپتا ہیں، ان کا المیہ اس وقت سب سے بڑا انسانی مسئلہ بن چکا ہے۔ روہنگیا کے بحران کا کسی بھی اور انسانی بحران سے کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ روہنگیا روئے زمین پر سب سے زیادہ ستم رسیدہ اقلیت ہیں۔

اقوام متحدہ کے نگرانوں کو راکھین تک رسائی دینے کی اپیلوں کو نظر انداز کرنے کا معاملہ اگر ایک طرف بھی رکھ دیا جائے تو روہنگیا مسلمانوں کی جاری نسل کشی کے خاتمہ کیلئے کوئی جامع منصوبہ یا لائحہ عمل نظر نہیں آتا ہے۔

درحقیقت یہ لالچ کی ایک کہانی ہے اور اس میں دنیا کی بڑی کثیر قومی کارپوریشنیں ملوث ہیں، یہ منافقت کی بھی کہانی ہے اور یہ کسی اور کی نہیں (نوبل امن انعام یافتہ) آنگ سان سوچی کی منافقت ہے۔

مغرب کی تقدس مآبی

اس کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ آنگ سان سوچی ایک جھوٹی رہبر ہیں، اسے مغرب نے برسوں سے

تقدس مآب بنا کر پیش کیا، ان پر تقدیس کی چادر چڑھائی، انھیں جمہوریت کا استعارہ قرار دیا گیا کیونکہ انھوں نے ان ہی برمی فورسز کی اپنے ملک میں مخالفت کی تھی، تب امریکا کی قیادت میں مغربی اتحاد نے برما کو اس کے چین کے ساتھ اتحاد کی وجہ سے الگ تھلگ اور تنہائی کا شکار کر دیا تھا۔

یہ ایک رضا مندی کی شادی تھی، آنگ سان سوچی نے توقع کے عین مطابق اپنا کردار ادا کیا تھا، دائیں بازو نے ان کی حمایت کی اور بایاں بازو ان کا گرویدہ ہو گیا، ان سب خدمات پر انہیں 1991ء میں نوبل امن انعام سے نوازا گیا۔

برما کی اس لیڈی کا اپنے ہی ملک میں ایک سیاسی جلاوطن کے طور پر سفر اس وقت اختتام کو پہنچا جب وہ 2015ء میں کثیر جماعتی انتخابات کے بعد برما کی لیڈر بن گئیں، اس کے بعد انہوں نے بہت سے ملکوں کے دورے کیے ہیں، ملکاؤں، رانیوں اور صدور کے ساتھ کھانا کھائے ہیں، یادگار تقریریں کی ہیں اور اعزازات وصول کیے ہیں، وہ برسوں سے جس سفاک فوج کی مخالفت کرتی چلی آرہی تھیں، انھوں نے جانتے بوجھتے ہوئے اس کے ساتھ مصافحہ کر لیا اور حکومت بنا لی۔

یہ عظیم "انسان" اس وقت اپنا تمام وقار کھو بیٹھیں، جب ان کی حکومت، پولیس اور فوج نے روہنگیا مسلمانوں کی نسلی تطہیر شروع کر دی۔ ان کی بڑے منظّم انداز میں نسل کشی کی جانے لگی، روہنگیا مسلمانوں کے خلاف تشدد آمیز کارروائیاں برمی فوج، پولیس اور ملک کی قوم پرست بدھ مت اکثریت مشترکہ طور پر کر رہی ہے۔

ان نام نہاد "تطہیری کارروائیوں" میں حالیہ مہینوں کے دوران ہزاروں روہنگیا مسلمانوں کو قتل کیا جا چکا ہے، ڈھائی لاکھ سے زیادہ افراد کو جبری طور پر بے دخل کر دیا گیا ہے، یہ بھوکے ننگے لوگ اپنی جانیں بچا کر کسی نہ کسی طریقے سے پڑوسی ملک میں پہنچ جانے میں کامیاب ہو گئے جبکہ ان کے ساتھ نکلنے والے سیکڑوں افراد دریا یا سمندر کی لہروں کی نذر ہو گئے، یا ان کا پیچھا کر کے جنگلوں، بیابانوں میں انھیں مار دیا گیا۔

برما میں روہنگیا مسلمانوں کے قتل اور ان کے دیہات کے گھیراؤ جلاؤ کی کہانیاں 1948ء میں فلسطینی عوام کی نسلی تطہیر کی یاد تازہ کر دیتی ہیں، یہ پڑھ کر کسی کو حیرت زدہ نہیں ہونا چاہیے کہ اسرائیل برمی فوج کو اسلحہ مہیا کرنے والا ایک بڑا ملک ہے، اسرائیلی وزیر دفاع ایویگڈور لائبرمین بالاصرار یہ کہتے ہیں ان کے ملک کا برما میں رجیم کو بھیجی جانے والے ہتھیاروں کی کھیپوں کو روک لگانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

اسرائیل سے برما کو اسلحے کی کھیپ بھیجنے کی ایک خبر کا اگست 2016ء میں اعلان کیا گیا تھا اور اسرائیل کی اسلحہ ساز کمپنی نے فخریہ انداز میں یہ بھی کہا تھا کہ اس کی کارنرشاٹ رائفلز پہلے ہی برمی فوج کے استعمال میں ہیں۔

اسرائیل کی تاریخ سفاک جنتاؤں اور مطلق العنان حکمرانوں کی حمایت سے بھری پڑی ہے لیکن جو لوگ (ممالک) خود کو جمہوریت کا محافظ قرار دیتے ہیں، وہ اب تک برما میں خونریزی پر خاموش کیوں ہیں؟

آنگ سان سوچی میں تو اتنا بھی اخلاقی حوصلہ نہیں کہ وہ متاثرین سے ہمدردی کے دو بول بول سکیں، اس کے بجائے انھوں نے ایک مبہم سا بیان جاری کیا اور کہا ''ہمیں اپنے ملک میں موجود ہر کسی کا خیال رکھنا ہوگا''۔

اس دوران میں ان کے ترجمان اور دوسرے بھونپوؤں نے روہنگیا مسلمانوں کے خلاف ایک مذموم مہم شروع کر رکھی ہے۔ وہ ان پر اپنے ہی دیہات کو نذرِ آتش کرنے کے الزامات عاید کر رہے ہیں، وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ روہنگیا اپنی خواتین کی عصمت دری کی من گھڑت کہانیاں بیان کر رہے ہیں اور جو روہنگیا برمی سکیورٹی فورسز کی مزاحمت کی کوشش کرتے ہیں، انھیں وہ جہادی قرار دے دیتے ہیں۔

دستاویزی ثبوت

لیکن دستاویزی رپورٹس سے ہمیں اس تلخ حقیقت کے کچھ اشارے ملتے ہیں، جن کا روہنگیا کو مسلسل تجربہ ہو رہا ہے، اقوامِ متحدہ کی حال ہی میں منظرِ عام پر آنے والی رپورٹ میں ایک خاتون کا تفصیلی بیان شامل ہے۔ اس کے خاوند کو برمی فوجیوں نے منظم حملوں کے دوران میں قتل کر دیا تھا، اس خاتون کے ساتھ بیتی تمام واردات انسانیت کے خلاف جرم کے زمرے میں آتی ہے۔

اس متاثرہ خاتون نے بتایا: ''ان میں سے پانچ نے میرے کپڑے اتار دیے اور میری جبری اجتماعی عصمت ریزی کی، میرا آٹھ ماہ کا بچہ اس وقت بھوک سے بلبلا رہا تھا، اس کو میرے دودھ کی ضرورت تھی، انھوں نے اس کو خاموش کرانے کے لیے چاقو سے قتل کر دیا اور اس کو ہمیشہ کی ابدی نیند سلا دیا''۔

برما سے جانیں بچا کر بنگلہ دیش پہنچنے والے روہنگیا مہاجرین دردناک کہانیاں بیان کرتے ہیں، وہ بچوں کے قتل، خواتین کی عزتیں تار تار ہونے اور دیہات کو جلائے جانے کے خوفناک واقعات بیان کرتے ہیں۔، ان کے ان بیانات کی ہیومن رائٹس واچ کی جانب سے فراہم کردہ خلائی سیارے سے لی گئی تصاویر سے بھی تصدیق ہوتی ہے، ان میں ریاست راکھین میں نیست و نابود دیہات کو دیکھا جا سکتا ہے۔

راکھین کے دارالحکومت ستوے سے معروف برطانوی صحافی پیٹر اوبورن نے تازہ صورت حال کو رپورٹ کیا ہے۔ وہ ڈیلی میل میں 4 ستمبر کو شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''پانچ سال قبل شہر کی ایک لاکھ اسّی ہزار کے لگ بھگ آبادی میں پچاس ہزار روہنگیا مسلم اقلیتی گروپ سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے لیکن آج شہر میں ان کی تعداد تین ہزار سے بھی کم رہ گئی ہے۔ وہ آزادانہ شہر میں گھوم پھر نہیں سکتے ہیں۔ وہ آہنی تاروں میں محصور ایک چھوٹی سی بستی میں الگ تھلگ رہ رہے ہیں۔ مسلح محافظ ان تک کسی کو پہنچنے نہیں دیتے اور روہنگیا مسلمانوں کو بھی اس بستی سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے''۔

مغربی حکومتوں کو برما میں موجود اپنے ایلچیوں اور اپنے نمائندوں کے ذریعے روہنگیا کے اس بحران کا پورا پورا علم ہے، وہ ان ناقابل تردید حقائق سے پوری طرح آگاہ ہیں لیکن وہ جان بوجھ کر ان سب کو نظر انداز کر رہی ہیں۔

تیل کی دولت

رامری جزیرے سے رپورٹ کرتے ہوئے ہیروارڈ ہولینڈ نے ''میانمار (برما) کے پوشیدہ خزانے کی تلاش'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے۔

برما میں تیل کے وسیع ذخائر موجود ہیں اور مغرب کی جانب سے جنتا حکومت کے عشروں تک بائیکاٹ کی وجہ سے اس تیل کو نکالا نہیں جا سکا ہے لیکن اب بھاری بولیاں دینے والے میدان میں آ رہے ہیں، تیل کی بڑی کمپنیاں شیل، ای این آئی، ٹوٹل شیوران اور دوسری فرمیں اس ملک کے قدرتی وسائل سے استفادے کیلئے بھاری سرمایہ کاری کر رہی ہیں جبکہ چین، جو کئی سال تک برما کی معیشت پر چھایا رہا تھا، اس کو اب آہستہ آہستہ پیچھے دھکیلا جا رہا ہے۔

درحقیقت اس وقت اس ملک کے پوشیدہ معدنی وسائل کو نکالنے کیلئے مخاصمانہ دوڑ اپنے عروج پر ہے، اس دولت کی بدولت ایشیا میں چین کی سپر طاقت کی حیثیت کو کم زور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اسی مقصد کیلئے مغرب نے آنگ سان سوچی کو اس ملک میں لیڈر کے طور پر کھڑا کیا جبکہ اس ملک میں بنیادی طور پر کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کی شناخت تبدیل کر دی گئی ہے تاکہ ''بگ آئیل'' کی ملک میں واپسی کی راہ ہموار کی جا سکے۔ تاہم روہنگیا اس تمام کھیل کی قیمت چکا رہے ہیں۔

روہنگیا مقامی ہیں

روہنگیا برما میں غیر ملکی، درانداز یا تارکین وطن نہیں ہیں، ان کی مملکت اراکان آٹھویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتی ہے، اس کے بعد کے برسوں میں اس مملکت کے مکین عرب تاجروں کے ذریعے اسلام سے متعارف ہوئے تھے اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ مسلم اکثریتی علاقہ بن گیا، اراکان برما کی جدید دور کی ریاست راکھین ہے جہاں بارہ لاکھ کے لگ بھگ روہنگیا مسلمان رہ رہے ہیں۔

روہنگیا کو غیر ملکی قرار دینے کا جھوٹا نعرہ پہلی مرتبہ 1784ء میں بلند کیا گیا تھا جب برمی شاہ نے اراکان پر قبضہ کرلیا تھا اور وہاں سے ہزاروں مسلمان بے گھر ہونے پر مجبور کردیے گئے تھے۔ ان میں زیادہ تر نے بنگال کا رُخ کیا تھا لیکن وہ کچھ عرصے کے بعد اپنے آبائی علاقوں کو لوٹ آئے تھے۔

بیسویں صدی کے دوران میں کئی مرتبہ روہنگیا کو حملوں کا نشانہ بنایا گیا، انھیں راکھین سے بے دخل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ گذشتہ صدی میں 1942ء، 1948ء 1962ء اور 1977ء میں روہنگیا مسلمانوں کو ان کے آبائی علاقوں سے نکال باہر کرنے کیلئے منظم کارروائیاں کی گئی تھیں۔

1982ء میں برما کی فوجی حکومت نے شہریت کے نئے قانون کی منظوری دی تھی۔ اس کے تحت بیشتر روہنگیا کو شہریت سے محروم کردیا گیا تھا اور انھیں ان کے اپنے ہی ملک میں غیر قانونی آباد کار قرار دے دیا گیا تھا۔ روہنگیا کے خلاف موجودہ نئی جنگ کا آغاز 2012ء میں ہوا تھا۔

روہنگیا کے خلاف برمی حکومت اور فوج کے مظالم پر بین الاقوامی سطح پر خاموشی ہی چھائی رہی ہے اور صرف چند ایک معزز شخصیات نے ان مظالم کے خلاف لب کشائی کی ہے۔ ان میں پاپائے روم پوپ فرانسیس بھی شامل ہیں۔ انھوں نے فروری میں ان کیلئے دعائیہ عبادات کا اہتمام کیا تھا اور کہا تھا: ’’روہنگیا اچھے لوگ ہیں۔ وہ پُرامن لوگ ہیں اور ہمارے بھائی اور بہنیں ہیں‘‘۔ لیکن افسوس ان کی روہنگیا سے انصاف کیلئے دہائی پر کسی نے کان نہیں دھرے ہیں۔

افسوس ناک خاموشی

آیندہ مہینوں اور برسوں کے دوران میں برما میں تشدد کو مہمیز مل سکتی ہے اور تشدد کا یہ سلسلہ دوسرے آسیان ممالک تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ اس کی وجہ بڑی سادہ سی ہے کہ جنوب مشرقی ایشیا کے اس خطے میں مسلمان اور بدھ مت ہی دو بڑے نسلی اور مذہبی گروپ ہیں۔ بقیہ صفحہ 25؍ پر ملاحظہ ہو!

حرمت شراب قرآن کی روشنی میں

سیف الرحمٰن ندوی، مدیر موٴسۃ النور لکھنؤ

حرمت شراب اور قرآن

دین اسلام کے وہ ارکان جن کا جاننا اور جن پر عقیدہ رکھتے ہوئے عمل کرنا ہر کلمہ گو کیلئے ضروری ہے؛ بلکہ فرض ہے، جیسے پانچ نمازیں، ماہ رمضان کے روزے، زکوۃ اور حج بیت اللہ وغیرہ جس طرح یقینی وقطعی ہیں، اور دین اسلام کے بنیادی مسائل ہیں، ہر مسلمان پر ان کا جاننا بھی فرض ہے اور عمل کرنا بھی فرض ہے، بالکل اسی طرح شراب، جوا، سود، زنا اور چوری وغیرہ کی حرمت بھی یقینی وقطعی ہے، ہر مسلمان کو اس کی حرمت کا علم ہونا اور اس کی حرمت پر عقیدہ رکھنا فرض ہے، اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

شراب کی تدریجی حرمت

شریعت اسلامی کا یہ امتیاز ہے کہ اللہ نے احکام کو سہل اور آسان کر دیا ہے، اور حلت وحرمت کے بہت سے مسائل کو اسلام کے تشریعی نظام میں تدریجی طور پر نافذ کیا ہے، قطعی حرمت سے پہلے کچھ اشارات کئے اور اس کے بعد قطعی حرمت نازل فرمائی، اسی سلسلے ایک کڑی شراب کی حرمت ہے، جس میں پوری قوم مبتلا تھی، سوائے چند اشخاص کے۔

پہلا مرحلہ

رسول اللہ ﷺ کی تربیت کے نتیجہ میں اللہ تعالی نے حضرات صحابہؓ کے دل میں شراب کی حرمت اور اس کی گندگی کا احساس پیدا فرما دیا تھا؛ بلکہ بعض صحابہؓ، مثلا حضرت عمرؓ اور حضرت معاذؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے شراب کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے از خود دریافت کرنا شروع کر دیا تھا کہ ایسی چیز جو عقل اور مال دونوں کو غارت و برباد کر دینے والی ہو، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ (تفسیر ماجدی ج ۱، ص ۴۱۰، مولانا عبد الماجد دریابادی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، بحوالہ کبیر)

اسی طرح دیگر حساس طبیعت صحابہؓ کے درمیان بھی شراب کے فائدے اور نقصانات پر گفتگو ہونے لگی، بعض فائدے شمار کراتے اور بعض نقصانات، اور سوالات شروع ہو گئے، چنانچہ ارشاد ہوا:

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس و اثمھما اکبر من نفعھما(البقرہ:۲۱۹)

لوگ آپ سے شراب اور جوا کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ ان میں بڑا گناہ ہے، اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں، اور ان کا گناہ ان کے فائدوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔

یقیناً اس میں کچھ فائدے بھی ہیں، چونکہ حق تعالی کی پیدا کی ہوئی کائنات میں ایسی کوئی شئ نہیں ہے جس میں صرف نقصان ہی نقصان ہو؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ شئ حلال بھی ہو، چونکہ کسی حرام اور ناجائز شئ کے جزوی منافع و مصالح بیان کرنا اس کی حرمت کے منافی اور اس کی حرمت سے انکار کے مرادف ہرگز نہیں، اور اسی آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی شئے کے معصیت ہونے اور نافعیت جزوی کے درمیان کوئی تناقض نہیں۔

دوسرا مرحلہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ترمذی میں مذکور ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حرمت شراب سے قبل ایک موقعہ پر چند احباب کی دعوت کی، اس دعوت میں شراب کا بھی نظم تھا، کھانے کے بعد مے نوشی ہوئی، اتنے میں مغرب کا وقت ہوگیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام بنایا گیا، سورہ کافرون کی تلاوت میں آپ سے بوجہ نشہ سخت غلطی ہوگئی، اس پر آیت نازل ہوئی:

یاایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوۃ و انتم سکری حتی تعلموا ماتقولون الخ(النساء:۴۳)

اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب بھی مت جاؤ، جب تک کہ سمجھ نہ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

مطلب یہ تھا کہ اوقات نماز میں شراب مت پیو، اس حکم سے مزید ناپسندیدگی کا اظہار ہوگیا، لیکن اب تک حرمت کا صاف اعلان نہیں ہوا، تاہم بہت سے حضرات نے شراب نوشی بالکل چھوڑ دی، اور جو مبتلا رہے انھوں نے بھی عصر اور مغرب کی نمازوں کے بعد اس لیے ترک کر دی کہ نمازوں کا وقت قریب قریب ہوتا ہے، بہر حال یہ صاف اور صریح اشارات اور قرائن تھے کہ عنقریب حرمت کا اعلان ہونے والا ہے، ماحول بنا دیا گیا، فضا تیار کر دی گئی۔

آخری مرحلہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان دونوں آیتوں کے نزول کے بعد بڑی بیتابی سے کہنے لگے: "**اللھم بین**

لنا فی الخمر بیانا شافیا ‘‘ کہ اے اللہ شراب کے بارے میں فیصلہ کن حکم فرما دیجیے، مگر چونکہ عرب میں شراب کا رواج انتہا کو پہونچا ہوا تھا، دفعتاً منع کرنا مناسب نہ تھا، اس لیے اللہ تعالی نے نہایت ہی حکیمانہ انداز میں اول اشارے کر کے نفرت بٹھائی، گویا زمین پوری طرح ہموار کردی، دین اسلام کا یہ حکیمانہ تدریجی نظام کتنا انوکھا ہے؟ اور بالآخر سورہ مائدہ میں اللہ تعالی نے ام الخبائث کی حرمت کا قطعی حکم، اس کی ممانعت کی حکمت اور اس کی گندگی وغیرہ کو عجیب وغریب مؤثر انداز میں بیان فرما دیا، چنانچہ ارشاد ہوا:

یاایھا الذین آمنوا انماالخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ۰ انما یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللّٰہ و عن الصلوۃ۰ فھل انتم منتھون۰ واطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واحذروا، فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین۰(المائدہ، ۹۰-۹۲)

اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے تو بس بڑی گندی باتیں ہیں، شیطان کے کام ہیں، سو اس سے بچتے رہو تا کہ فلاح پاؤ، شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمہارے آپس میں دشمنی، کینہ، شراب اور جوے کے ذریعہ سے ڈال دے، اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ سو اب بھی تم باز آجاؤ گے؟ اور اطاعت کرتے رہو اللہ کی اور رسول کی، اور احتیاط رکھو، اور اگر اعراض کرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ تو صاف صاف پہونچا دینا ہے اور بس!

غور کیجیے! اس آیت کریمہ میں شراب کی حرمت کو کس مؤثر انداز سے بیان فرمایا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی حرام اور ممنوع چیز کی حرمت کا اعلان اس انداز سے نہیں کیا گیا، اور ساتھ ہی ساتھ ممانعت کی علت و حکمت کو بھی دینی و دنیوی دونوں پہلو سے بیان فرما دیا، کسی تفسیر وتشریح کے بغیر صرف ترجمہ سمجھ کر اس آیت کو بار بار پڑھیے اور سوچیے کہ کتنا بلیغ پیرایہ بیان اختیار کیا گیا ہے۔

شراب کی شناعت وقباحت کا احساس دلانے کیلئے ”میسر، انصاب، ازلام‘‘ کے ساتھ اللہ تعالی نے اس کا ذکر کیا، یعنی بت پرستی کی قباحت جس طرح واضح ہے، ٹھیک اسی طرح شراب نوشی کی شناعت بھی کھلی ہوئی ہے، پھر یہ کہ ’’رجس ‘‘فرمایا جو اس کی گندگی بیان کر رہا ہے، اور پھر ’’من عمل الشیطان ‘‘اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ یہ ایک شیطانی عمل ہے، اس میں خیر کا نام تک نہیں، اور نہ ہی خیر کی توقع کی جاسکتی ہے،

جب اتنی بری اور قبیح چیز ہے تو اس سے ضرور بچنا چاہیے۔

مضمون آیات اس بات کی طرف بھی مشیر ہے کہ دنیا وآخرت کی کامیابی وکامرانی اس سے بچتے رہنے پر ہی موقوف ہے، مزید اینکہ شراب نوشی کے ذریعے شیطان مؤمنین کے دلوں میں بغض وعداوت پیدا کرنا چاہتا ہے، اور اللہ تعالی کی یاد سے ایمان والوں کو روکنا چاہتا ہے، جو یاد ایمان والوں کیلئے سب سے بڑی دولت ہے، اور نماز جیسی نعمت جو ایمان کی سب سے بڑی علامت ہے اور دین کی عمارت کا بنیادی ستون ہے، اس سے شرابی غافل ہو جاتا ہے، اتنی محسوس اور واضح برائیوں کے بعد کیا ایمان والے شراب نوشی سے باز نہیں آئیں گے؟ کیا کوئی عاقل ان خرابیوں کے بعد اس معصیت کے ارتکاب کی جرات کر سکتا ہے؟ شراب کی حرمت، اس کی گندگی اور اس سے دینی ودنیوی نقصانات وغیرہ یہ وہ حقائق ہیں جو ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہیں، غور فرمایئے کہ شراب کی حرمت کے اعلان کیلئے کتنا مؤثر اور بلیغ طرز اختیار فرمایا گیا ہے، اس کے باوجود یہ کہا جائے کہ قرآن کریم نے تو صریح حرام کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے، اور نہ ہی محرمات کے تذکرے میں حرمت شراب کا ذکر ہے، یہ کتنا جاہلانہ تصور اور احمقانہ خیال ہے؟ کیا کسی چیز کی ممانعت کی ایک یہی تعبیر ہو سکتی ہے کہ اسے ''حرام'' کہا جائے؟ تو پھر کل ''زنا'' کے بارے میں بھی کہا جائے گا کہ ''حرام'' کا لفظ کہاں ہے؟

حیرت ہے کہ اتنے واضح حقائق اور اتنی کھلی باتیں بھی آج تبصرہ وتنقید کی محتاج بن گئیں، کیسا دور آ گیا ہے کہ آج دین اسلام کے مسلمات، دین محمدی ﷺ کے مہمات اور ضروریات وقطعیات اور شریعت اسلامیہ کے محاسن وکمالات بھی محل شبہات بن گئے؛ لیکن اس جماعت کا تو حال ہی کچھ اور ہے، جن پر اطاعت ناز کرتی ہے، علامہ دریابادیؒ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ؓ جو آیت کے مخاطب اولین تھے، اس آیت کو سنتے ہی پکار اٹھے، ہم باز آ گئے! ہم باز آ گئے! کیا ڈسپلن تھا بارگاہ نبوت کا، اور کیسی زبردست اصلاحی قوت تھی عرب کے اس امی حکیم کی، کہ بڑے بڑے پرانے اور عمر بھر کے شرابیوں اور جواریوں کو پاکباز ومتقی؛ بلکہ پاکبازوں اور متقیوں کا سردار بنا دیا، سچ کہا ہے اکبرالہ آبادی نے۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے ○ کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

شراب ایسی گندی اور قبیح شئی ہے جس کی حرمت دین اسلام کی قطعیات میں داخل ہے، جس کی خرابیوں اور نقصانات پر امریکہ ولندن میں کتابیں اور مقالات لکھے جا رہے ہیں، جس کے ضرر ونقصانات سے کافر بھی تنگ آ چکے ہیں، ایسی ناجائز اور حرام شئی سے کس درجہ پرہیز کرنا چاہیے؟ یہ فیصلہ ہم آپ پر چھوڑتے ہیں۔ ○

سیمانچل گاندھی کی شخصیت سماجی اعتبار سے!

مقالہ: خالدانور پورنوی المظاہری

سیمانچل گاندھی سے مشہور، سیمانچل کے بے تاج بادشاہ، اور غریبوں کے مسیحا؛ جناب الحاج تسلیم الدین صاحبؒ آج ہمارے بیچ نہیں ہیں، مگر ان کی خدمات، ان کی قربانیاں اور قوم وملت کیلئے ان کے نمایاں کارنامے سیمانچل والوں کیلئے قیمتی اثاثہ، اور سرمایہ اعزاز وافتخار ہیں، جب تک دنیا باقی ہے، چاند، سورج اور ستاروں میں روشنی باقی ہے، ان کا نام زندہ رہے گا، سماج اور بالخصوص سماج کے کمزور طبقات کیلئے کئے گئے ان کے عملی اقدامات، ہم سب کیلئے نشان راہ ثابت ہوتے رہیں گے۔

توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ کے چیئر مین فضیلۃ الشیخ مطیع الرحمٰن مدنی قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے غریبوں کے مسیحا، اور ایک لمبے عرصہ تک سماج کی خدمات کرنے والے، سیاسی قدآور لیڈر جناب الحاج تسلیم الدین صاحبؒ کی حیات وخدمات پر سمینار کا انعقاد کیا، اس لئے کہ وہی قوم ترقی کرتی ہے جو اپنے اکابر اور ان کی خدمات کو حرزِ جان بنائے رکھتی ہے۔

فضول سمجھ کر جسے بجھا دیا تو نے
وہی چراغ جلاؤ تو روشنی ہوگی

الیکشن 2014ء کا بگل بج چکا تھا، ہر طرف گہما گہمی تھی، الیکشن جیتنے کی تیاریوں میں تمام دعویدار مصروفِ عمل تھے، انہی دنوں بذریعہ آٹو رکشہ رانی گنج سے ارریہ کیلئے ہم روانہ ہوگئے، ٹیمپو میں بیٹھے سبھی لوگ الیکشن اور اس کے نتائج کا تذکرہ کرنے لگے، نہ ہماری ان سے شناسائی تھی، اور نہ ہم نے اس کی ضرورت محسوس کی، سبھی لوگ راہ چلتے مسافر تھے، ان میں کئی لوگ جو دیکھنے میں مسلمان نہیں لگ رہے تھے، اور ان کی شکل وصورت یادوؤں جیسی لگ رہی تھی، اپنے آپس میں کہنے لگے: ''ارریہ میں اس بار تو بوڑھوا کو ہی ووٹ دیں گے، چاہے اس کیلئے جو ہو جائے''۔ جب اپنے کسی دوست سے پوچھا کہ ''بڑھوا'' سے کون مراد ہیں؟ تو کہنے لگے: ایم پی تسلیم الدین صاحب!

یہی تھی ان کی شخصیت کہ وہ ہر دل کی دھڑکن تھے، عوام وخواص میں بیحد مقبول اور پسندیدہ شخصیت کے مالک تھے، بلاتفریق مذہب اور مسلک تمام طبقوں اور قبیلوں میں وہ محبت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، سماجی کارکن کی حیثیت سے سرپنچ سے اپنے سیاسی کیریئر کی انہوں نے شروعات کی، اور آخری دم تک سماجی کارکن، سماجی

خدمت گذار کی حیثیت سے ہی جانے جاتے رہے۔

ایم پی تسلیم الدین صاحب سیمانچل گاندھی سے مشہور تھے،غریبوں مزدوروں ،کسانوں اوردبے کچلے لوگوں نے اس خطاب سے انہیں نوازا تھا،اورواقعۃً وہ اسی لائق تھے،وہ بھلے ہی 8/بارممبراسمبلی اور5/بارممبر پارلیامنٹ رہے،ایک لمبے عرصہ تک سیاست میں اورسیاسی قدآورشخصیت کے روپ میں جانے پہچانے جاتے رہے،مگر سماجی اعتبار سے وہ بے زبانوں کی آواز،اورغریبوں کے مسیحا تھے،کوئی فخروغرورنہیں،اررریہ ہو،یا پھر پٹنہ یا پھر دہلی؛ان کے گھر میں ضرورت مندوں کا ہجوم رہتااورسب کی ضروریات پوری کرناوہ اپنی خوش قسمتی سمجھتے تھے۔

عام طور پر کوئی ایم ایل اے،یاایم پی اپنے حلقہ انتخاب تک ہی سمٹا ہوارہتاہے،تعمیراتی اورترقیاتی کام ہو،یاپھرعوام کے دیگر مسائل سے وابستگی اپنے ہی علاقہ تک محدود رہتی ہے؛مگرایم پی تسلیم الدین صاحب مرحوم کا معاملہ ہی بالکل الگ تھا،لوگوں کو یہ سمجھ پانا مشکل تھا کہ وہ اررریہ کے ایم پی ہیں ،یا کشن گنج،پورنیہ یادوسرے اضلاع کے۔وہ سبھوں کے لئے اپنے تھے،یہی خوبی تھی ان کے اندر جودوسرے لوگوں سے ممتاز کردیتی تھی،اسی لئےتووہ سیمانچل گاندھی سےمشہور تھے۔

سرپنچ اورمکھیاکے بعدکانگریس پارٹی سے سیاسی کریئر کی انہوں نے شروعات کی،جنتاپارٹی،لوک دَل جنتادل،راشٹریہ جنتادل،سماج وادی،جیسی پارٹیوں میں وہ رہے،مگر پارٹی سے اوپراٹھ کرغریبوں ،کسانوں، مزدوروں کیلئے انہوں نے آوازاٹھائی،نہایت ہی بے باک اور بےخوف لیڈربن کررہے،عوامی فلاح،اورقومی حقوق کیلئے دنیا کی کسی چیز کوانہوں نے رکاوٹ بننے نہیں دیا،جوبھی سامنے آیا،ان سے لڑپڑے،ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ہویاایس ڈی او،بی ڈی اوہویاداروغہ یادوسرے سرکاری افسران؛سبھی کے سامنے حق تلفی وناانصافی اورظلم و تشدداورسرکاری غنڈہ گردی کے خلاف آوازاٹھاتے رہے،وہ عوام کیلئے جیتے تھے،اورسماج سیوک ان کا پیشہ تھا، یہی وجہ ہے کہ سب نے انہیں محبت دی،وہ ہمیشہ ہندومسلم اتحاداور بھائی چارہ کی علامت بنے رہے،اورانہیں تمام فرقوں کی حمایت حاصل رہی،عوامی مقبولیت کی وجہ سے ہی 1991ء،1999ءاور2009ءکے پارلیمانی انتخاب کےعلاوہ کسی بھی انتخاب میں انہیں ہارکا سامنانہیں کرناپڑا۔جس پارٹی سےبھی انتخابی میدان میں اترے کامیابی نے ان کاقدم چوما،چونکہ عوام کواس سے مطلب نہیں تھا کہ وہ کس پارٹی سے ہیں،وہ صرف تسلیم الدین کو جانتے تھے،اوران کی سماجی کارکردگی سے بیحد متاثر تھے۔

کسانوں کےحقوق اوران کےمسائل حل کرکے لئے بھی وہ ہمیشہ پیش پیش رہے۔خاص کر پورنیہ خطہ کے کسانوں کے لئے جن کا خاص پیداوار جوٹ ہے،جن کا استحصال کئی دہائیوں سے ہورہا تھا،باہر کے تاجراور مارواڑی بنئے کسانوں سےاونے پونے قیمت پرپاٹ سن کسانوں سےخریدتے تھےاوردونے تین گنے داموں

پر پیچ ڈالتے تھے، سرکاری مشینری پوری طرح بدعنوانی میں ڈوبی رہتی تھی۔ ان بنیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتی تھی، اس کے خلاف تسلیم الدین صاحب نے زبردست تحریک چلائی، انہوں نے پورے علاقے میں کاشت کاروں کے استحصال کے خلاف زوردار آواز اٹھائی، کشن گنج سے لیکر ارریہ اور فاربس گنج سے جوگبنی تک احتجاجی تحریک چلائی، جگہ جگہ جلسے جلوس مظاہرے کئے، استحصال کے خلاف جدوجہد نے انہیں اعلی سرکاری افسران کا دشمن بنادیا۔ کیوں کہ رشوت خوری، کالا بازاری بند ہورہی تھی 30 سے 40 فیصد رشوت کھانے والے افسران آپے سے باہر ہوگئے۔ ایم پی تسلیم الدین کے خلاف کارروائی اور جھوٹے کیس میں پھنسانے کا بہانہ ڈھونڈنے لگے اور سازشوں کا جال پھیلایا گیا۔ ان پر کئی کیس درج کرائے گئے، حیرت کی بات ہے کہ بیک وقت مجسٹریٹ، ایس ڈی او اور پولیس چیف نے اپنے ساتھ کی گئی مار پیٹ کی شکایت درج کرائی۔ تسلیم الدین صاحب کے خلاف شوٹ وارنٹ جاری کرایا گیا، ان کے مکان کو قرق کر کے منہدم کر دیا گیا۔ کیوں کہ اس وقت بہار میں کانگریس کی حکومت تھی اور یہ اپوزیشن میں تھے؛ لیکن وہ اس سیاسی انتقامی کارروائی سے قطعی خوفزدہ نہیں ہوئے۔ چونکہ وہ عوامی زندگی کا حصہ تھے اور عوام کی طاقت ان کے ساتھ تھی، شاید اسی لئے اسمبلی کی ایک تحقیقاتی کمیٹی بنی، جس نے پولیس کارروائی کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے، ریاست کی کانگریسی سرکار کو مکان کی تعمیر کے لئے ایک لاکھ 85 ہزار معاوضہ دینے کا حکم دیا۔

1982 میں بڑھتی ہوئی مہنگائی اور افسران کی بدعنوانی کے خلاف ایم پی تسلیم الدین صاحب نے علم احتجاج بلند کیا، جس میں ان کی گرفتاری ہوگئی اور پھر ضمانت پر رہا ہوگئے، اسی طرح 1982 میں ہی ارریہ کے پلاسی بلاک کے ایک گاؤں بیرواخوری میں، وہاں کے ایک زمین دار کے اشارے پر معمولی واقعہ کو فرقہ وارانہ رنگ دے کر اقلیتوں کی پوری بستی کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ جس میں بے گناہ ہندوؤں کو پھنسایا گیا، اصل مجرموں کو پکڑنے اور بے گناہوں کو بری کرنے کے لئے متحدہ محاذ کے زیر اہتمام ایم اپی تسلیم الدین صاحب نے اپنی قیادت میں احتجاجی تحریک چلائی، جس میں کئی لیڈروں کے علاوہ سی پی ایم کے اس وقت کے ایم ایل اے اجیت سرکار، پچھتر مالاکار، سی پی آئی کے لال چند ساہنی، لوک دل کے ادے بھانو رائے بھی شامل تھے۔ تسلیم الدین صاحب نے پولیس مظالم کے خلاف بھوک ہڑتال اور دھرنا شروع کر دیا، جس میں دفعہ 309 کے تحت انہیں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا، ان کے علاوہ کئی اور لوگ اسامی تھے، اسی طرح 1985 میں تسلیم الدین جب جوکی ہاٹ سے رکن اسمبلی منتخب ہوئے تھے، ان زمینداروں کے خلاف ایک مہم چھیڑی جو سیلنگ ایکٹ نافذ ہونے کے باوجود ہزاروں ایکڑ زمین پر قابض تھے، اس وقت کے ایس ڈی او نے کارروائی کرتے ہوئے ان زمین داروں کی ہزاروں ایکڑ زمین پکڑی، جس کی وجہ سے اس کا تبادلہ کر دیا گیا، ان کی جگہ لینے والے ایس ڈی او نے آتے ہی

مسٹر تسلیم الدین کے خلاف ایک مہم شروع کردی اور عوامی احتجاج دبانے کے لئے کئی فرضی مقدمے قائم کئے۔ اسی طرح بجلی محکموں کے رشوت خور افسران کے خلاف ایک مہم چلائی اور اسسٹنٹ بجلی انجنئر کا گھیراؤ کیا، جس کا بہانہ بنا کر اسسٹنٹ انجینئر نے دفعہ 307 کے تحت تسلیم الدین صاحب پر مقدمہ قائم کردیا، اس طرح کے نہ جانے کتنے فرضی مقدمات سرکاری افسروں نے تسلیم الدین صاحب پر قائم کئے، جرم صرف یہ تھا کہ عوام پر ہورہے ظلم وتعدی کے خلاف ہمیشہ عوام کے ساتھ آپ کھڑے نظر آرہے تھے۔

1986 میں انتظامیہ اور پولیس کے ذریعہ اس وقت کی ریاستی حکومت کے اشارے پر ایم پی تسلیم الدین صاحب کو بے عزت کرنے اور شبیہہ کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی، تسلیم الدین کی عوامی مقبولیت سے لرزاں سیاسی لیڈروں نے ان کی شبیہہ کو سبوتاژ کرنے کی سازشیں کیں، سرکاری مشینری، میڈیا اور اعلی افسران ایم پی تسلیم الدین صاحب کو مجرم بنانے کے لئے اپنی توانائی صرف کرنے لگے؛ مگر عوام نے ایم پی صاحب مرحوم کا پورا، پورا ساتھ دیا، ان کی بھرپور حمایت کی، اور پولیس مظالم کے خلاف اسمبلی اور سڑکوں پر زبردست احتجاج کیا، اس وقت کمیونسٹ ایم ایل اے اجیت سرکار نے بھی اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائی۔ این ڈی اے کے سابق وزیر دفاع جارج فرنانڈیز اور سبودھ کانت سہائے اور سابق بہار اسمبلی اسپیکر تریپوراری پرساد کے علاوہ کئی سیاست دانوں نے ارریہ پہنچ کر پولیس ظلم کے خلاف آواز اٹھائی، ایم پی تسلیم الدین کو جھوٹے مقدمات میں پھنسائے جانے کے خلاف زبردست احتجاج کیا، اور تسلیم الدین صاحب کی عوامی مقبولیت نے دنیا کو بتادیا کہ مجرم ایم پی تسلیم الدین نہیں، وہ لوگ ہیں جو سرکاری مشینری کا ناجائز استعمال کرتے ہیں۔

کشن گنج پارلیمانی حلقہ مسلم اکثریت ہونے کے ساتھ سرحدی علاقہ بھی ہے جس پر عرصہ سے بی جے پی جیسی فرقہ پرست جماعت کی نگاہ لگی ہوئی تھی جو بنگلہ دیشی دراندازوں کا غیر ضروری معاملہ اٹھاتی رہی ہے اور ایک خاص فرقہ میں ہمدردی کی لہر پیدا کرکے ووٹ بٹورنے کی کوشش کرتی رہی ہے، 1996 کے الیکشن میں بی جے پی اپنی فتح کے تئیں بہت ہی پرامید تھی کہ سہ رخی مقابلہ میں وہ آسانی سے میدان مار لے گی؛ لیکن تسلیم الدین کی عوامی مقبولیت نے بی جے پی کی ساری سازشوں کو ناکام کردیا اور ان کے غبارے کی ہوا نکال دی۔ 1996 کے لوک سبھا کے عام انتخابات میں ایم پی تسلیم الدین صاحب جنتا دل کے ٹکٹ پر کشن گنج پارلیمانی حلقہ سے انتخابی میدان میں اترے اور سہ رخی سخت مقابلہ میں ایک لاکھ 68 ہزار ووٹوں سے کامیابی حاصل کی، ان کی اس جیت سے فرقہ پرستوں کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں، اور نہ ہی انہیں اپنے ناپاک ارادوں میں کامیابی مل سکی، اس لئے کہ قوم کا مسیحا بازی مار چکا تھا۔

2004 سے 2009 کے دوران ایم پی تسلیم الدین صاحبؒ نے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ ترقیاتی کام کئے، کشن گنج کو ترقی کے نقشے پر لا کھڑا کر دیا، اور اس کے بلاک کو چادھامن میں سڑکوں کا جال بچھا دیا تھا۔ اس کے لئے کئی ندیوں پر پل اور کئی ترقیاتی کام کئے۔ان کا سب سے بڑا پروجیکٹ اررریہ سے کشن گنج کو ریلوے لائن کو جوڑنا تھا، گرچہ یہ منصوبہ ٹھنڈے بستے میں چلا گیا، اور انہیں کامیابی نہیں ملی، اس دور کو یقینی طور پر ترقی کا دور کہا جاسکتا ہے۔مگر 2009 کے پارلیمانی انتخابات میں کشن گنج کے عوام نے انہیں تیسرے نمبر پر لا کھڑا کر دیا ،اور وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔اس کی وجہ یہ نہیں کہ عوامی مقبولیت میں کوئی کمی ہوگئی؛ اس لئے کہ اے ایم یو سے لے کر دیگر مسائل میں کشن گنج کے عوام نے ہمیشہ ایم پی تسلیم الدین کو یاد کرتے تھے، ان کا کہنا تھا آج اگر وہ رہتے یہ کام آسانی سے حل ہو جاتا۔2014 میں تسلیم الدین صاحب نے پھر واپسی کی اور اررریہ پارلیمانی حلقہ سے منتخب ہوئے اور اس وقت منتخب ہوئے جب پورے ملک میں مودی لہر چل رہی تھی۔اررریہ سے فتحیاب ہونے کے بعد وہ ترقیاتی کاموں اور خاص طور پر کشن گنج کیلئے فکرمند رہتے تھے، مگر عمر نے وفا نہ کی۔

قصہ مختصر یہ کہ ایم پی تسلیم الدین صاحب سیمانچل میں بدحال مسلمانوں کے لئے ایک لمبی لڑائی لڑی ہے، دبے کچلے لوگوں کو انہوں نے سہارہ دیا ہے، جب بنگلہ دیشی درندازی کے نام پر مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی کو تنگ و تباہ کرنے کیا جارہا تھا وہ ایم پی تسلیم الدین صاحب ہی تھے جنہوں نے نہ صرف مورچہ سنبھالا، بلکہ دوسرے درجہ کی شہریت کا الزام جھیل رہے شہریوں اور بنیادی سہولیات سے محروم طبقات کو انہوں نے پہچان دلائی، تسلیم الدین کی تحریک سے مسلمانوں اور دبے کچلے لوگوں کو طاقت ملی، اس لئے کہ وہ زمینی لیڈر تھے، جدوجہد کے قائل ہی نہیں وہ کرتے بھی تھے، خود کو سیمانچل کی بقا اور تحفظ کیلئے انہوں نے اپنی پوری طاقت جھونک دی تھی، وہ سماج میں میں ترقی اور وکاس چاہتے تھے، کاش حکومت کی نیت صاف ہوتی، تو آج سیمانچل کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

ملک و بیرون ملک میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ ایم پی تسلیم الدین کے چاہنے والے ہیں، آج ان کی آنکھیں نم ہیں، عزم و حوصلہ، اور قوت ارادی آج انہیں جھک کر سلام کرتی ہے۔

کیا لوگ تھے جو راہ وفا سے گذر گئے
جی چاہتا ہے نقش قدم چومتے چلیں

❍❖❍

خواتین پر نئے دور کی ذمہ داریاں!

صبیحہ جمال

تبدیلی ایک قدرتی عمل ہے جو ہر دور میں جاری رہا ہے اور مستقبل میں بھی جاری رہے گا۔ فرد ہو، سماج ہو، قوم ہو یا ملک ہو جو بھی خود کو اس تبدیلی کے ساتھ ہم آہنگ کرنے میں ناکام رہے گا وہ یا تو بہت پیچھے رہ جائیگا یا ماضی کے جنگلوں میں کہیں گم ہو جائے گا۔ دور بدلے، تبدیلیاں رونما ہوئیں اور ان تبدیلیوں کا اثر جہاں سماج کے ہر طبقے پر پڑا تو سماج کا اہم حصہ خواتین اس سے کیسے مستثنیٰ رہ سکتی تھیں۔ انہی تبدیلیوں کا نتیجہ ہے کہ گھروں میں کھانا پکانے اور سلائی کڑھائی میں مصروف رہنے والی خواتین آج آسمانوں میں جہاز اڑا رہی ہیں اور سمندر کی گہرائیوں کو کھنگال رہی ہیں۔ ترقی کے اس دور میں آج کہا جاتا ہے کہ خواتین کے پاس اب کافی وقت ہے اور خواتین کے فارغ اوقات کے بارے میں لوگوں کے درمیان دورائے پائی جاتی ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ پہلے زمانے میں خواتین پر زیادہ ذمہ داریاں تھیں اور وہ بہت مصروف رہتی تھیں۔ جب کہ آج کے دور میں خواتین پر اتنی ذمہ داریاں نہیں ہیں۔ اس کے برعکس کچھ لوگوں کا گمان ہے کہ آج کے دور میں خواتین پر زیادہ ذمہ داریاں ہیں۔ آیئے اس مضمون میں ہم انہیں دُو آراء پر غور کرتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر ہماری بہنیں اس دور میں ذمہ داریوں سے آزاد ہیں اور ان کے پاس فارغ اوقات ہیں تو ان کو کس طرح صحیح اور مثبت کام میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اگر ہم اپنے بچپن پر نظر ڈالیں اور اس زمانے کی خواتین کی مصروفیات کا اندازہ کریں تو واقعی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانے میں خواتین کو یہ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ کب دن نکلا اور کب ختم ہوا۔ صبح فجر کے بعد سے ان کا روٹین شروع ہو جاتا تھا۔ زیادہ تر گھروں میں جھاڑو پونچھا خواتین خود کرتی تھیں۔ ان کاموں کیلئے نوکرانیوں کا تصور ہی نہیں تھا۔ کھانا بنانے کیلئے سارے موٹے مصالحوں کو سل پر پیسا جاتا تھا۔ مکسر یا گرائنڈر کیا چیز ہوتی ہے جس میں صرف سوئچ دباتے ہی منٹوں میں مصالحہ پس جاتا ہے، اس کو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ہمیں یاد ہے کہ ہم سبھی کی والدہ محترمہ رمضان کی آمد سے قبل اپنی آسانی کیلئے مرچیں، دھنیا گھر میں لگی ہاتھ کی چکی پر پیس کر رکھ لیتی تھیں تا کہ رمضان میں آسانی رہے۔ اسی طرح چنے کی دال پیس کر بیسن بھی گھر میں تیار کیا جاتا تھا۔ رمضان سے پہلے گھر گھر میں سوئیاں توڑی جاتی تھیں۔ اس کا میدہ تیار کر کے مشین چلا کر سوئیاں توڑی جاتی تھیں۔ ان کو رسّی پر سکھایا جاتا۔ کئی دن تک یہی کام ہوتا تھا۔ آلو کے چپس بھی گھر میں ہی بنائے جاتے تھے۔ غرض کہ رمضان کی آمد سے بیس پچیس دن پہلے سے ہی یہ تیاریاں شروع ہو جاتی تھیں۔ جبکہ آج کل یہ سب چیزیں ریڈیمیڈ موجود ہیں۔

اکثر گھروں میں کپڑوں کی دھلائی بھی گھر پر ہی ہوتی تھی۔ کچھ بڑے کپڑے دھوبی کے یہاں دھلوا لیے جاتے تھے۔گھر کا سارا کھانا چولہوں پر بنایا جاتا تھا۔سخت گرمی میں بھی چولہے کی تپش جھیلنی ہوتی تھی اور ساتھ ہی دھواں بھی خوب رلاتا تھا۔غرض یہ کہ اپنے خاندان کی بزرگ عورتوں کی زندگی کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی آج کے دور میں خواتین کو بہت سی سہولیات میسر ہیں جو اُس دور کی خواتین کو میسر نہیں تھیں،جن کے سبب ان کی زندگی کا بیشتر حصہ بس انھیں مصروفیات کی نذر ہو جاتا تھا۔اس کے برعکس آج کی خواتین کو الحمدللہ وہ سب چیزیں دستیاب ہیں جن کی وجہ سے گھنٹوں کا کام منٹوں میں ہو جاتا ہے۔آج کل مختلف قسم کی مشینوں نے جہاں بہت سارے کام آسان کیے ہیں وہیں اوقات میں گنجائش پیدا کر دی ہے کہ وہ گھریلو کام کاج کے علاوہ دوسرے کام بھی کر سکتی ہیں۔ان ساری سہولیات کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آج کے دور میں بھی خواتین وقت کی کمی کا شکوہ کرتی نظر آتی ہیں۔یہ بھی حقیقت ہے کہ مشینی دور نے جہاں خواتین کو بہت سی سہولیات مہیا کی ہیں جس کی وجہ سے ان کے کچن کے کام آسان ہو گئے، کپڑوں کی دھلائی، گھر کی صفائی، ان سارے کاموں میں بھی نوکرانیوں اور مشینوں کی سہولیات میسر ہیں، وہیں ان پر کچھ دوسری ذمہ داریاں آ گئی ہیں۔بچوں کی پڑھائی، ان کا ہوم ورک کرانا، اسکول یا اسٹینڈ تک چھوڑ کر آنا، واپس لانا،بعض گھرانوں میں مرد زیادہ مصروف ہوتے ہیں تو سبزی اور سودا لانا بھی خواتین کے ذمہ ہی ہے۔

لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ ان ساری ذمہ داریوں کے باوجود بھی آج خواتین کے پاس پہلے کے مقابلے زیادہ وقت ہے۔لیکن ان کا یہ وقت ٹی وی دیکھنے،فون پر لمبی گفتگو کرنے یا موبائل کے غیر ضروری استعمال میں ضائع ہوتا نظر آ رہا ہے اور ان کو وقت کی اہمیت کا احساس بھی نہیں ہوتا۔آج اگر ہماری بہنیں چاہیں تو اپنے ان اوقات کو مثبت کاموں میں استعمال کر سکتی ہیں۔موبائل، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ سے صحیح کام لے کر اس جہان میں بھی اور آگے آنے والے جہان میں بھی اپنے لیے بہت سی چیزیں اکٹھا کر سکتی ہیں۔موبائل میں کچھ ہم خیال گروپس بنا کر ان کے ذریعہ مختلف کام کیے جا سکتے ہیں۔خدمت خلق کا کام کیا جا سکتا ہے۔لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کر کے ان کی مدد کی جا سکتی ہیں۔بہت سی بہنیں فیس بک اور واٹس ایپ کے ذریعہ کامیاب بزنس چلا رہی ہیں،تو ان کے ذریعہ کپڑوں، جیولری اور دوسری چیزوں کا آن لائن بزنس کیا جا سکتا ہے۔اس کے علاوہ اگر کچھ بہنیں اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا چاہیں تو آن لائن کلاسیں بھی چلائی جا سکتی ہیں۔جو خواتین لکھنے کا شوق رکھتی ہیں تو اپنی تحریر کے ذریعہ سوشل میڈیا سے کام لے سکتی ہیں۔اسی طرح کے اور بھی کام ہو سکتے ہیں جن کو اپنے فارغ اوقات میں کر کے اپنے ان اوقات کو دنیا اور آخرت دونوں لحاظ سے کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔

جدید تعلیم کے ساتھ اخلاقی تعلیم کی اہمیت!

علی حیدر

تعلیم ایک ایسا موضوع ہے جو اٹھارہویں صدی کے بعد سے ہی ہمارے درمیان ایک سنجیدہ بحث اور تحقیق کا عنوان بن چکا ہے۔اس لئے جب ہم اس موضوع پر بحث کرنے کی جرأت کرتے ہیں تو ہمیں ہندوستان میں جدید درس وتدریس اور تعلیمی قافلے کے روح رواں سرسید احمد خانؒ،صابو صدیقؒ،مولانا شبلیؒ،مولانا حمید الدین فراہیؒ اور مولانا علی میاں ندویؒ سے لیکر ڈاکٹر رفیق، ذکریا،غلام وستانوی،ولی رحمانی،ڈاکٹر ذاکر نایک اور مبارک کاپڑی کی کاوشیں بھی ذہن میں ضرور رکھنی چاہئے اور یہ بات بھی ذہن میں ضرور رہے کہ دنیا میں ایک مسلمان کی اپنی حیثیت اور شناخت ایک داعی اور قائد کی طرح ہے۔قائد اگر تعلیم یافتہ اور بیدار نہ ہو تو وہ کسی قوم اور قافلے کی رہنمائی کبھی نہیں کرسکتا۔ایک مسلمان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ انسان کی اصل زندگی مرنے کے بعد شروع ہونی ہے۔مگر یہ زندگی بھی اسی وقت خوبصورت ہوسکتی ہے جبکہ اس کی دنیا خوبصورت ہو۔دنیا کو خوبصورت اور پرامن بنانے کیلئے لازمی ہے کہ انسان اپنے پیدائش کی حقیقت اور خالق سے بھی ضرور واقف ہو۔علم غیب کی اس حقیقت کو چاک کرنے کیلئے یہ بھی لازمی ہے کہ انسان ایسے لوگوں اور ماحول کو اختیار کرے جو اسے حالات حاضرہ سے واقف کرانے میں مدد کرے۔تعلیم بذات خود نہ تو کوئی مقصد ہے اور نہ ہی اسلام بلکہ یہ ایک ہتھیار ہے جو انسانی ذہن سے جہالت اور اندھیرے کے پردے کو چاک کرکے انسان کو صراط مستقیم یا صحیح رخ کے تعین کا فیصلہ کرنے میں مدد کرتی ہے۔ آج کے دور میں انسانی ضروریات اور ایجادات نے جس طرح صنعت وتجارت اور ٹکنالوجی کے شعبے کو وسعت دی ہے علم و ہنر اور تحقیق و جستجو کے زاویے میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا ہے بلکہ گلوبلائزیشن اور جیومیٹری کی زبان میں ایک دائرے کے 360 ڈگری کا زاویہ جو اٹھارہویں صدی کے پہلے تک نامکمل یا ابتدائی مراحل کے دور میں تھا اب اکیسویں صدی میں تقریباً مکمل ہونے کے قریب ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ انسان اپنی ترقی اور علم کی اس انتہا کو پہنچ چکا ہے جسے اگر انسانی اخلاق واقدار کے پیرہن میں نہیں ڈھالا گیا تو اس پورے معاشرے کی تباہی یقینی ہے اور کسی حد تک ہم اس اندھی ترقی کے تباہ کن نتائج سے آشنا بھی ہو رہے ہیں۔ ایسے میں ایک طالب علم کے پاس جبکہ بچپن سے بڑھاپے تک کسی بھی سبجیکٹ یا عنوان پر عبور حاصل کرنے کیلئے صرف شروع کے تیس سال کا وقفہ ہی درکار ہوتا ہے اور اس وقفے میں بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہی ہوجائے اور جس طرح اس کے بعد اس کی پوری زندگی معاشی اور گھریلو زندگی کی جدوجہد اور ضروریات کی تکمیل میں ہی سرف ہوجاتی ہے یہ ناممکن ہے کہ وہ جدید دور کے 360 ڈگری کے تحقیقی اور علمی زاویے کو طئے کرپائے۔ہمارا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس تیس سال کے تعلیمی وقفے کے دوران اگر بچے کو کوئی ٹھوس اخلاقی تعلیم نہیں دی گئی یا وہ انسانی اقدار اور اپنے پیدا

ہونے کے مقصد یعنی ''اقراء بسم ربک الذی خلق '' سے غافل اور محروم رہ جاتا ہے تو وہ اپنی باقی کی زندگی میں اپنی اس غیر اخلاقی دنیاوی اور مادی تعلیم کی کامیابی اور ناکامیابی دونوں ہی صورتوں میں جو فسادات برپا کریگا اس کا تصور آج کے اس مادہ پرست مسابقت اور سرمایہ دارانہ نظام میں بخوبی کیا جاسکتا ہے جہاں ہر شخص اپنے ہاتھ میں تحریر و تقریر کی شکل میں سازش اور بارود کی شکل میں پتھر لئے کھڑا ہے اور اس موقع کی تلاش میں ہے کہ اگر کوئی بات اس کے مزاج اور توقع کے خلاف ہو تو وہ اس پتھر کو اپنے مخالف کے سر پر دے مارے۔ یا ناکامی کی صورت میں اسی ہتھیار کو اپنے سر پر دے مارے۔

ایسے میں علمبرداران اسلام کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ انسان کے اندر سے اس جانور کو ختم کرنے اور اسے تباہی کے ہتھیار میں تبدیل ہونے سے پہلے ہی اسلامی اخلاق واقدار کی تعلیم سے روشناس کرائیں۔ ہمارے ملک میں دعوت وتبلیغ میں مصروف مختلف تنظیمیں یہ کام کر بھی رہی ہیں اور جو لوگ ان تنظیموں سے جڑے ہیں اس کے فائدے سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا مگر ادیان باطل یا خالص مادہ پرست طاقتوں کے مقابلے میں یہ تحریکیں اگر پر اثر نہیں ثابت ہو رہی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ باطل طاقتوں کو اقتدار حاصل ہے اور وہ جہاں اپنی تمام جدید حکومتی ذرائع اور وسائل کے ساتھ اپنے استعماری عزائم کی تکمیل کیلئے اسلامی تعلیمات اور اصول پر حملہ آور ہیں مسلمانوں کے قافلے کا بھی ایک کثیر گروہ نادانستہ یا اپنی مادی کمزوری کی بنیاد پر ان کی جماعت کا سپاہی ہے۔ ہمارا یعنی مسلم علماء اور اہل دانش کا مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح ارباب اقتدار اپنے باطل نظریات کو باقاعدہ اسکولوں اور کالجوں کے ذریعے مشتہر کر رہے ہیں ہمارے پاس بھی دعوت وتبلیغ کا کوئی ٹھوس منصوبہ نہیں ہے اور ہم آج بھی گلی کوچوں میں لیٹریچر بانٹ کر یا نماز کی دعوت دے کر مطمئن ہیں۔ جبکہ ہمارے انبیاء کرام کی سنت یہ رہی ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے اپنے اس اخلاق واقدار کی دعوت کو وقت کے نمرود، فرعون اور سرداران قوم کے سامنے پیش کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سماج اور معاشرے کے بگاڑ میں وقت کے عالم وحاکم اور سرداران قوم کا اس لئے بھی اہم کردار ہوتا ہے کیوں کہ عوام پر ان کی گرفت ہوتی ہے۔ چونکہ حالات میں بدلاؤ آچکا ہے اور معاشرے کی باگ ڈور اور قسمت کا فیصلہ سیاست دانوں کے ساتھ ساتھ کالجوں کے پروفیسر اور اسکولوں کے ٹیچر، اخبارات کے ایڈیٹر اور قلمکار کرنے لگے ہیں اس لئے موجودہ دور میں یہ کام اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں اخلاق واقدار کی اسلامی تعلیم کی شمولیت کے ذریعے کیا جاسکتا ہے تاکہ ان اسکولوں سے فارغ ہو کر جب ایک مسلمان بچہ کالج یا یونیورسٹی کی دہلیز پر قدم رکھے تو غیر مذاہب کے پختہ اور ذہین بچوں کے سوالوں کا باآسانی جواب دے سکے۔ ہندوستان جیسے کثیر المذاہب سماج میں چونکہ کالجوں کی سطح تک اسلامی نصاب تعلیم کو شامل کروانا بہت مشکل ہے مگر مسلمان اپنے ذاتی اداروں میں پری پرائمری اور سیکنڈری تک اسلام کی بنیادی تعلیمات پر مبنی ایسا تعلیمی نصاب تیار کریں تاکہ اس تعلیم کے ساتھ ساتھ سرکاری اسکول بورڈ کے ہم جہتی نصاب کو بھی مکمل کروانا مشکل نہ ہو۔

ممبئی میں آجکل کئی ایسے اسکول کھل چکے ہیں جو جدید تعلیم کے ساتھ اسلامی تعلیمات پر بھی بھرپور محنت کر رہے ہیں

جس کی شروعات سب سے پہلے ڈاکٹر ذاکر نایک کی طرف سے ہوئی ہے اور اب تو ایسے دسیوں اسکول وجود میں آچکے ہیں اور غالبًا اس طرح کے ہائی پروفائل اسکولوں کی شروعات ساؤتھ افریقہ پاکستان اور دبء وغیرہ سے ہوئی ہے جسے ممبء میں سب سے پہلے ڈاکٹر ذاکر نایک نے اسلامک انٹرنیشنل اسکول کے نام سے شروع کیا اور وہ کامیاب بھی رہے اور اب ہماری معلومات کے مطابق ممبء میں کم سے کم ایسے دسیوں اسلامک اسکول کھل چکے ہیں جو ہندوستان میں بابری مسجد کی شہادت اور 9/11 کے بعد عالمگیر سطح پر اسلام کی مقبولیت نے خود مسلمانوں کو بھی ایک بار پھر اسلام کی طرف راغب ہونے پر آمادہ کیا۔اسی سلسلے میں ایک بار ہماری ملاقات برطانیہ کے ایک ہم عصر اسلامی اسکالر عیسیٰ منصوری صاحب سے بھی ہو چکی ہے جو برطانیہ میں مقیم مسلمانوں میں اسلامی بیداری پیدا کرنے کیلئے ایسے کئی اسکول قائم کر چکے ہیں اور وہ اپنے اس مقصد کی تکمیل کیلئے دنیا کے دیگر اسلامی ممالک کا دورہ بھی کرتے رہتے ہیں۔خاص طور سے پاکستان میں ان کے اس منصوبے پر بہت ہی وسیع پیمانے پر کام ہو رہا ہے۔اب ضرورت اس بات کی ہے کہ پچھلے پندرہ سالوں میں جہاں دس سے بارہ اسکول امیر وکبیر گھرانے کے بچوں کیلئے کھولے گئے ہیں جس کی ماہانہ فیس تقریباً چار سے پانچ ہزار ہے ایسے اسکول بھی قائم ہوں جہاں پسماندہ اور اوسط آمدنی کے لوگ بھی جو اپنے بچوں کو کانونٹ اور مشنری اسکولوں میں بھیجنے کیلئے مجبور ہیں انہیں بھی اسلامی اور اخلاقی تعلیمات کے ساتھ متبادل راستہ مل سکے۔جوگیشوری میں ملت اور اسلامک اسکالر کے نام سے کچھ ایسے اسکول قائم ضرور ہوئے ہیں لیکن کانونٹ کے مطلوبہ معیار کو نہ پہنچنے کے سبب ان کی شہرت میں کچھ گراوٹ آئی ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ جو وقت اور سرمایہ ہمارے لوگ دعوت وتبلیغ کیلئے باہر کی دنیا اور اجتماعات میں سرف کر رہے ہیں ان اسکولوں کے معیار بلند کرنے میں بھی لگایا جائے تا کہ ہمارے بچوں میں ڈراپ آوٹ کی کمی ہو اور یہ بچے زیادہ سے زیادہ اسلامی تعلیمات سے آراستہ ہو کر کالجوں میں داخل ہوں اور وقت کے روہت وومیلا اور کنہیاؤں کی ذہن سازی کر سکیں۔دوسرے لفظوں میں ہمارے عام مبلغین کا جو پیغام ہندو یونیورسٹیوں اور کالجوں میں پہنچانا ناممکن ہو رہا ہے ان بچوں کے ذریعے پہنچانے میں آسانی ہو۔اسلامک انٹرنیشنل ہائی اسکول کے مالک ڈاکٹر ذاکر نایک اور صفا اسلامک ہائی اسکول کے مالک مرحوم شہاب بھائی کیلئے یہ کام اس لئے ممکن ہو سکا کیوں کہ وہ جدید تعلیم یافتہ اور بچپن سے ہی دیندار تھے اللہ نے ان کے والدین کو بے شمار دولت سے بھی نوازہ تھا۔ہندوستان میں مرحوم شہاب اور ذاکر نایک کی طرح اور بھی شخصیات ہیں اور ہوسکتا ہے کہ ان کی نظر میں اس طرح کے اداروں کی افاریت کا علم اور اندازہ نہ ہو اس لئے میں دعوت وتبلیغ میں مصروف ہندوستان کی تمام تحریکوں سے کہنا چاہونگا کہ وہ اس طرح کے تعلیمی منصوبوں کے ساتھ وقت کے شہاب وثاقب کے سامنے اپنی دعوت پیش کریں۔اس طرح نہ صرف دعوت کے فرائض بھی ادا ہوں گے۔اس کوشش سے ہندوستان کے پسماندہ علاقوں میں بھی قائم ہونے والے اسکولوں سے دیگر پسماندہ مسلم طبقات بھی مستفید ہو سکیں گے نیز ان اسکولوں سے نکلنے والے بچے کالجوں میں دیگر برادران وطن کی ذہن سازی میں معاون ہو سکتے ہیں۔ایک سستی اور اسلامی ماحول میں تعلیم کا یہ کام مسجدوں کے ذریعے بھی انجام دیا جا سکتا ہے جو کہ نماز کے باقی اوقات میں خالی ہی رہتی ہیں جیسا کہ بنگلور اور چنئی کی کچھ مسجدوں کو جدید تعلیم کیلئے استعمال میں لیا جا چکا ہے۔ ❍❖❍

جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم کا سیمانچل کا طوفانی دورہ بحسن وخوبی اختتام پذیر

سیمانچل میں پرزور استقبال، جمعیۃ نگر کالونی کی تعمیر کا اعلان، سیلاب متاثرین کو دیا 540 کمبلوں کا تحفہ

سیمانچل میں آئے بھیانک سیلاب متاثرین کیلئے جمعیۃ علماء ہند کے تعمیری کاموں کا جائزہ لینے اور بازآبادکاری کیلئے منصوبہ بند پلاننگ اوراس کے طریقہ کار، اس طرح کے دیگر اہم امور پر فیصلہ لینے کیلئے جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب مولانا محمد قاسم صاحب کی صدارت میں اور جمعیۃ علماء ہند کے قومی سکریٹری جناب مولانا حکیم الدین قاسمی، اور مفتی جاوید اقبال صاحب قاسمی نائب صدر جمعیۃ علماء بہار کی نگرانی میں جمعیۃ ریلیف کمیٹی کی جامعہ حسینیہ مدنی نگر کشن گنج میں، گیارہ بجے دن، ایک نشست منعقد ہوئی، جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب مولانا محمد قاسم صاحب اپنی تمام تر مصروفیات کو ترک کر کے پٹنہ سے دن کے گیارہ کشن گنج پہونچے، صوبائی صدر کے پہلی بار صدر کی حیثیت سے سیمانچل پہونچنے پر ضلعی جمعیۃ کے ذمہ داران اور کارکنان نے موصوف کا پرزور استقبال کیا، تلاوت کلام پاک کے بعد جمعیۃ علماء بہار کے نائب صدر اور ریلیف کمیٹی جمعیۃ علماء بہار کے کنوینر جناب مفتی جاوید اقبال صاحب قاسمی نے سکریٹری رپورٹ پیش کیا، جمعیۃ علما ہند، جمعیۃ علماء بہار اور مقامی وضلعی یونیٹوں کی خدمات کی خدمات کا تفصیلی طور پر تذکرہ کرتے ہوئے جمعیۃ علماء بہار ریلیف کمیٹی کی نگرانی میں تعمیر کردہ 99 / ننانوے مکانات کے تعمیری جائزہ کے ساتھ، اس کے اخراجات اور مکانات کی تعمیر کس نہج پر ہو، اظہار خیال فرمایا، موصوف نے ضلعی ومقامی، ریاستی ذمہ داران جمعیۃ نیز مرکزی ٹیم کی بھی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔ جمعیۃ علماء ہند کے قومی سکریٹری جناب مولانا حکیم الدین قاسمی نے اپنے مختصر خطاب میں سروے کے ابتدائی جائزے کے پیش نظر اپنے مرکزی صدر محترم اور ناظم عمومی کے حوالے سے بازآبادکاری پروگرام کے سلسلے میں اہم گفتگو کرتے ہوئے دلجمعی کے ساتھ کام کرنے کی گذارش کی۔ سیمانچل کیلئے جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم جناب مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری، اور جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی جناب مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب کی فکرمندی کا اظہار فرمایا، موصوف ہی کی نگرانی میں جمعیۃ علماء کی ٹیم نے ابھی سروے کا جو کام مکمل کیا، اس کے مقاصد کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے انہوں نے کہا: سروے کا اہم مقصد گورنمینٹ اور حکومت کو توجہ دلانا ہے، انہوں نے بازآبادکاری کے سلسلے میں جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی جناب مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب کے حوالہ سے فرمایا: وہ ہمیں کہتے تھے: اعلان کم کرو اور کام زیادہ، اس لئے ہم لوگ اتنا ہی اعلان کریں جتنا کام کرسکیں، جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم اور مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کے رکن جناب مولانا محمد قاسم صاحب نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا: آپ حضرات نے سیلاب متاثرین کی فلاح وبہبود اور ترقی کیلئے جو بھی کام کیا ہے اس کا حقیقی اجر تو اللہ تبارک وتعالیٰ دیگا۔ دنیا میں اس کا اجر کوئی نہیں دے سکتا، اسی طرح سیلاب متاثرین کیلئے کام کرنے والے تمام ارکان وعہدیداران جمعیۃ، مدارس دینیہ ومکاتب قرآنیہ کے

اساتذہ کے کام کو بھی سراہتے ہوئے ان کے حق میں دعاء خیر کی گئی۔واضح رہے سیمانچل سمیت شمالی بہار میں آئے بھیانک،قیامت خیز سیلاب کی تباہی نے عام انسانوں کے ساتھ جو دشواریاں پیدا کردی تھیں اس کی راحت رسانی کیلئے جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم،اور ناظم عمومی کی ہدایت کے مطابق جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم نے تقریباً 27لاکھ کی رقم سے اشیائے خوردنی تقسیم کیا۔

جمعیۃ علماء بہار کے جنرل سکریٹری مولانا محمد ناظم قاسمی اپنی ٹیم کے ساتھ سیمانچل کے سیلاب زدہ علاقوں کا خود سے دورہ بھی کیا،اوران کے دکھ درد میں شریک ہوکر کھانے،پینے اور دیگر ضروری اشیاء کو تقسیم کیا،جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم نے اپنے جاری خطاب میں سیلاب متاثرہ علاقہ میں جمعیۃ نگر کالونی کی تعمیر کا بھی فیصلہ سنایا،جسے سن کر سامعین نے خوب سے خوب پذیرائی فرمائی،اوراس موقع پر 540 کمبلوں کا تحفہ بھی دیا،واضح رہے کہ سیلاب زدگان کی راحت رسانی کیلئے جمعیۃ علماء ہند اور ریاستی وضلعی یونیٹیں اول دن سے ہی وقتی راحت و بچاؤ میں لگے ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی برابر جاری ہے۔اس میں مزید تیزی لانے اور وقتی راحت رسانی کے بعد باز آبادکاری اور دیگر پیش آمدہ مسائل پر غور وفکر کرنے کیلئے ریلیف کمیٹی کے مرکزی آفس جامعہ حسینیہ فرنگولہ کشن گنج میں،دن کے گیارہ بجے ایک نشست بلائی گئی تھی۔جس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ سیلاب کی وجہ سے جو لوگ گھر سے بے گھر ہوگئے ہیں،اس کی باز آبادکاری کی طرف توجہ دی جائے،ایک مکان بنانے پر تقریبا پچاس ہزار روپے خرچ آنے کا امکان ہے،مغربی بنگال کے ضلع اتر دیناجپور،کشن گنج،ارریہ،پورنیہ،کٹیہار میں گھر سے بے گھر ہونے والے لوگوں کیلئے مرکز اور دیگر صوبائی جمعیتوں کے تعاون سے ڈھائی سو اور صوبہ بہار جمعیۃ کی جانب سے چار اضلاع میں بارہ بارہ مکانات پر مشتمل جمعیۃ نگر کالونی کی تعمیر مزدہ سنایا،اور کمارمونی نامی گاؤں جو کشن گنج شہر سے چھ کلومیٹر پر واقع ہے یہاں ایک ساتھ ترسٹھ مکانات سیلاب سے پوری طرح بہہ گئے اور اس بستی میں پندرہ سولہ مقامات پر بیس بیس فٹ اور اس سے زائد کے گھڑے ہوگئے ہیں،اس مقام پر جمعیۃ علماء ہند کی کوششوں سے مقامی ڈی ایم صاحب نے فوری ایکشن لیتے ہوئے مٹی بھرائی کا کام شروع کیا ہے اور اب تک دو ہزار ٹیکٹر سے زائد مٹی ڈالی جاچکی ہے لیکن وہ گھڑے بھرے نہیں ہیں،مکمل بھرائی ہوجانے کے بعد فیصلہ لیا گیا کہ ان متاثرین کو دوبارہ ان کی اپنی زمین پر بسایا جائے گا اور اس مقام پر ترسٹھ مکانات کی ایک کالونی بنام جمعیۃ کالونی تعمیر کی جائے گی۔میٹنگ میں تعمیراتی کاموں کیلئے مرکز اور جمعیۃ علماء بہار ریلیف کمیٹی کی نگرانی میں ایک پانچ نفری تعمیراتی کمیٹی بنائی گئی۔اس اہم میٹنگ میں جمعیۃ علماء ہند کے آرگنائزرس مولانا شفیق احمد القاسمی مالیگانوی،قاری نوشاد عادل قاسمی،،مولانا مرغوب الرحمٰن قاسمی کے علاوہ کشن گنج سمیت دیگر اضلاع کے معزز اراکین وعہدیداران جمعیۃ علماء کثیر تعداد میں شریک تھے۔میٹنگ میں اضلاع کے نمائندہ افراد نے اپنے اپنے علاقے کے اعتبار سے سروے اور تعمیراتی کاموں کو کئے جانے سے متعلق باتیں رکھی اور پائیدار و مستحکم کام پر بھرپور توجہ دینے کا عزم کیا،مفتی مناظر نعمانی نے نظامت کا فریضہ انجام دیا،صدر محترم کی دعاء پر مجلس کا اختتام ہوا۔

واضح رہے کہ کشن گنج سے روانہ ہوکر صدر محترم اپنی پوری ٹیم کے ساتھ دارالعلوم زکریا بائسی پہونچے، مولانا امتیاز قاسمی اور مدرسہ کے اساتذہ،طلبہ نے صدر موصوف کا پرزور استقبال کیا،بعد نماز مغرب جمعیۃ علما اررریہ کی جانب سے منعقد ہونے والی نشست میں شریک ہوئے اور میٹنگ کی صدارت فرمائی، واضح رہے کہ بعد نماز ظہر ہی شاہین کمپلیکس اررریہ آفس جمعیۃ علماء اررریہ میٹنگ رکھی گئی تھی،لیکن صدر محترم کے وقت مقررہ پر نہ پہونچنے کی وجہ سے مغرب کیلئے ملتوی کردی گئی، جمعیۃ علماء اررریہ کی مجلس عاملہ کے اراکین، اور مدعوئین خصوصی، جمعیۃ علماء کے اررریہ صدر محترم، سرپرست، اور دیگر خدام جمعیۃ کثیر تعداد میں شریک ہوئے، نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے جناب مولانا مفتی اطہر القاسمی جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء اررریہ نے صدر محترم کی خدمات کا تعارف کراتے ہوئے جمعیۃ علماء اررریہ کے صدر محترم، سرپرست اور دیگر اراکین کا باری باری تعارف کرایا، اور سیلاب متاثرین کیلئے جمعیۃ علماء اررریہ کے کارکنوں اور خاموں کی قربانیوں اور جانفشانیوں کا بھی بھرپور تذکرہ کیا،صوبائی صدر نے سن کر خوشی کا اظہار فرمایا۔

اس موقع پر جمعیۃ علماء بہار کے وفد میں شامل جناب مولانا مرغوب الرحمٰن قاسمی جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ضلع پٹنہ وصدرالمدرسین جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ اور جمعیۃ علماء ہند کے آرگنائزر جناب قاری نوشاد عال نے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے جمعیۃ علماء اررریہ کی خدمات کا برملا اعتراف کیا۔صوبائی صدر نے ٹرین کی وجہ سے وقت پر نہ پہونچنے اور ہوئی تاخیر کیلئے معذرت کا اظہار کرتے ہوئے جمعیۃ علماء اررریہ کے بے لوث خادموں کی خدمات کو سراہا، اور بتایا کہ ہمیں پل پل کی خبر اررریہ کے بارے میں ملتی رہی ہے، موصوف نے اس موقع اررریہ کیلئے جمعیۃ نگر کالونی کی تعمیر کا بھی فیصلہ لیا، سامعین اور حاضرین نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے موصوف سے مزید مکانات کی تعمیر کا بھی مطالبہ کیا، موصوف نے تعاون کی یقین دلائی، صدر محترم کی دعاء پر مجلس اختتام پذیر ہوئی۔ میٹنگ کے اہم شرکاء میں جناب مولانا محمد قاسم صاحب، مولانا مرغوب الرحمٰن، خالد انور پورنوی، قاری نوشاد عادل کے علاوہ، الحاج بذل الرحمٰن سرپرست جمعیۃ علماء اررریہ کے علاوہ ضلعی صدر ڈاکٹر محمد عابد حسین، مفتی اطہر القاسمی وغیرہ دیگر حضرات اراکین ضلعی جمعیۃ اررریہ شریک ہوئے۔

واضح ہو کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب سابق استاذ مدرسہ انوارالعلوم اسلام پور پورنیہ کی دعوت پر صدر محترم اپنی ٹیم کے ساتھ مدرسہ انوارالعلوم اسلام پور پورنیہ بھی تشریف لے گئے۔ یہاں اساتذہ، طلبہ بالخصوص حضرت مولانا حسین احمد صاحب قاسمی، جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی نے اس وفد کا والہانہ استقبال کیا۔ حافظ اکمل صاحب اسلام پوری نے پرتکلف ضیافت فرمائی۔ اور رات کا قیام مدرسہ ہی میں فرمایا۔ پھر صبح کے پانچ بجے یہاں سے روانہ ہوئے اور مدرسہ رحمانیہ ننکار رام پور، جامعہ فاطمۃ الزہرا للبنات رام پور، مدرسہ اصلاح المسلمین رام پور تشریف لے گئے، مولانا فاروق صاحب، حافظ غیاث الدین صاحب، مولانا فیروز صاحب نعمانی نے پرزور خیر مقدم کیا اور بار بار آنے کی گذارش کی، یہاں سے دربھنگہ ہوتے ہوئے پٹنہ کیلئے روانہ ہوگئے۔ ❍❖❍

شب وروز جامعہ

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے اساتذہ کی مشاورتی نشست، جمعیۃ نگر کالونی کی تعمیر کا ہدف

(مورخہ ۲۷ ستمبر ۲۰۱۷ء) صبح کے دس بجے جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ میں جامعہ مدنیہ سبل پور کے بانی اور جمعیۃ علماء بہار صدر محترم جناب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم کی صدارت میں اساتذہ کی ایک اہم مٹنگ منعقد ہوئی، جامعہ مدنیہ کے تعلیمی اور تعمیری جائزہ کے ساتھ ساتھ، عیدالاضحیٰ کے موقع پر کام کرنے والے طلبہ اور اساتذہ کی ہمت افزائی گئی، بانی جامعہ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: کہ آپ حضرات نے مدرسہ کی فلاح و بہبود اور ترقی کیلئے جو بھی کام کیا ہے اس کا حقیقی اجر تو اللہ دیگا، دنیا میں اس کا اجر کوئی نہیں دے سکتا ہے، البتہ بطور انعام کچھ دیا جا سکتا ہے، عیدالاضحیٰ میں کام کرنے والی طلبہ کو کرتا پائجامہ اور لنگی بطور انعام کے دیا گیا، اسی طرح سیلاب متاثرین کیلئے کام کرنے والے اساتذہ کے کام کو بھی سراہتے ہوئے ان کے لئے بھی حوصلہ بخش انعام کا اعلان کیا، واضح رہے کہ سیمانچل سمیت شمالی بہار میں آئے بھیانک اور قیامت خیز سیلاب کی تباہی نے جو عام انسانوں کے ساتھ دشواریاں پیدا کردی ہیں۔ وہ کسی بھی عام انسان سے مخفی نہیں ہے۔ اس کی راحت رسانی کیلئے جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم جناب حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری، دامت برکاتہم، جمعیۃ علما ہند کے جنرل سکریٹری جناب حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایات کے مطابق جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب مولانا محمد قاسم صاحب نے جمعیۃ علماء بہار کے جنرل سکریٹری اور جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے ناظم جناب مولانا محمد ناظم صاحب قاسمی، مقامی یونیٹوں بالخصوص جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے اساتذہ کے تعاون سے سیلاب متاثرین کیلئے اول دن سے ہی وقتی راحت و بچاو میں لگے ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے، اس میں مزید تیزی لانے اور وقتی راحت رسانی کے ساتھ بازآبادکاری اور دیگر پیش آمدہ مسائل پر غور و فکر کرنے کیلئے جامدنیہ سبل پور کے اساتذہ کی صدر محترم نے آج ایک نشست بلائی، جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے ناظم جناب مولانا محمد ناظم صاحب، مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب صدرالمدرسین جامعہ مدنیہ و دیگر اساتذہ شریک ہوئے۔ واضح رہے کہ جامعہ مدنیہ سبل پور کے اساتذہ باوجودیکہ طلبہ کی تعلیم و تربیت میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں، مگر ہنگامی حالات اور قوم وملت کے مسائل میں بھی وہ ضرور دلچسپی لیتے ہیں، ابھی شمالی بہار سمیت

سیمانچل میں جو بھیانک اور قیامت خیز سیلاب نے تباہی مچائی، جامعہ مدنیہ کے اساتذہ نے سیلاب متاثرین کیلئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور عوام وخواص سے ملاقات کر کے ان کی توجہ اس جانب مبذول فرمائی، ان کی اس کوشس اور جدو جہد کا جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم نے برملا اعتراف کرتے ہوئے، گذارش کی کہ سیلاب کی وجہ سے جو لوگ گھر سے بے گھر ہو گئے ہیں، اس کی باز آباد کاری کی بھی ضرورت ہے، ایک مکان بنانے پر تقریبا پچاس ہزار روپے خرچ آنے کا امکان ہے، جامعہ مدنیہ کے اساتذہ سے گذارش کی کہ وہ اس جانب بھی توجہ دیں اور تعاون کیلئے ہاتھ آگے بڑھائیں، صدر موصوف کی اس آواز پر جامعہ کے اساتذہ نے نہ صرف لبیک کہا، بلکہ ہر طرح کے تعاون کی بھی یقین دلائی، اساتذہ کی یقین دہانی پر صدر محترم نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ارریہ، پورنیہ، کٹیہار، کشن گنج میں گھر سے بے گھر ہونے والے لوگوں کیلئے کالونی بنانے کا ہدف لیا، اس عزم کی تکمیل اور نصرت الٰہی کیلئے رقت آمیز دعاء بھی فرمائی، اللہ قبولیت سے نوازے۔ آمین

کلٹی میں منعقد تقریب نکاح میں حضرت لانا محمد قاسم کی شرکت

(مورخہ ۸/ اکتوبر) ضلع بردوان میں واقع کلٹی میں جناب عرفان صاحب کی دو صاحبزادیوں کی شادی میں جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے بانی جناب مولانا محمد قاسم صاحب شریک ہوئے، اور عشاء کی نماز کے بعد میرج ہال گلزار مسجد کلٹی میں موصوف نے نکاح پڑھایا، واضح رہے کہ آج سے تقریبا 35 سال قبل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی پٹنہ میں بحالی سے پہلے مدرسہ اشرف المدارس کلٹی بردوان میں موصوف نے مکمل 6 سال تک تدریسی خدمات انجام دیا تھا، کلٹی میں موجود عوام وخواص، بوڑھے، نوجوانوں کی محبتیں آج بھی جناب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے ساتھ ویسے ہی برقرار ہیں، ان کے سکھ، دکھ اور خوشی وغمی میں شرکت ہوتی رہتی ہے، جناب عرفان صاحب کی دعوت پر آج جب کلٹی ضلع بردوان تشریف لے گئے، کلٹی اسٹیشن میں لوگوں نے والہانہ استقبال کیا، جناب حاجی عبدالدیان صاحب، جناب عرفان صاحب، حبیب اللہ، فیصل صاحب، جناب شکیل صاحب اور دوسرے مقامی لوگوں نے جمعۃ علماء بہار کے صدر محترم اور جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے بانی جناب مولانا محمد قاسم صاحب کا پرزور انداز میں خیر مقدم کرتے ہوئے انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا، اور بار بار جانے کی گذارش بھی کی،، نکاح سے قبل نکاح اور مقاصد نکاح پر مختصر گفتگو کی اور زوجین کو مبارکبادی کے ساتھ الفت ومحبت کے ساتھ رہنے کی بھی تلقین کی۔ اور رات ہی کو آسنسول سے پٹنہ کیلئے روانہ ہو گئے، اس سفر میں ماہنامہ ندائے قاسم پٹنہ کے مدیر تحریر جناب خالد انور پورنوی بھی ساتھ تھے۔ ❍❖❍